مختصر اصول فقہ

اُردو

آسان اور مختصر انداز میں اصول فقہ کی ایک بہترین کتاب۔ جو دینی مدارس کے طلبہ و طالبات کے ساتھ ساتھ، ایم اے سٹوڈنٹس، وکلاء، قانون دان اور سکالرز حضرات کے لئے یکساں مفید اور نفع بخش ہے۔

تالیف:

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز

اشاعت اکیڈمی

عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور

091-2580325

091-2590315

مختصر اصول فقہ

(اردو)

تالیف

ابو معاویہ مفتی محمد ایاز درانی پشاوری

ناشر
العلم پبلی کیشنز محلّہ جنگی پشاور
0912580325،0915515698

فہرست مضامین

پیش لفظ	5
اصول فقہ کی تعریف	6
علم اصول فقہ کا موضوع	6
علم اصول فقہ کی غرض	6
اصول فقہ کا مدون	6
مباحث اصول فقہ	9
بحث اول: ادلہ شرعیہ	11
کتاب اللہ یعنی قرآن	11
سنتِ رسول اللہ ﷺ	20
اجماع	24
قیاس	30
اجتہاد	38
مختلف فیہ دلائل	41
استحسان	41
استصلاح یا مصالح مرسلہ	44
عرف	46
سد ذرائع	49
اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	51

شرائع من قبلنا	54
استصحاب	57
بحث دوم: احکام شرعیہ	**58**
حکم شرعی	58
حکم شرعی کے اقسام	58
حکم تکلیفی	58
حکم وضعی	59
حکم تکلیفی کی قسمیں	59
فرض	60
واجب	60
سنت	63
مستحب	65
حرام	66
مکروہ تحریمی	67
مکروہ تنزیہی	68
خلاف اولیٰ	69
مباح	70
حکم وضعی کی اقسام	71
علت	71
سبب	72

	شرط	73
	علامت	73
	مانع	74
احکام شرعیہ کے مقاصد اور درجات		75
بحث سوم:	استنباط احکام کے طریقے	78
تقسیم اول:	(۱)۔۔۔خاص	79
	(۲)۔۔۔عام	89
	(۳)۔۔۔مشترک	95
	(۴)۔۔۔مؤول	97
تقسیم دوم:	(۱)۔۔۔ظاہر	97
	(۲)۔۔۔نص	99
	(۳)۔۔۔مفسر	99
	(۴)۔۔۔محکم	100
تقسیم سوم:	(۱)۔۔۔خفی	102
	(۲)۔۔۔مشکل	103
	(۳)۔۔۔مجمل	105
	(۴)۔۔۔متشابہہ	106
تقسیم چہارم:	(۱)۔۔۔حقیقت	106
	(۲)۔۔۔مجاز	108
	(۳)۔۔۔صریح	111

	(۴)۔۔۔کنایہ	112
تقسیم پنجم	(۱)۔۔۔عبارت النص	114
	(۲)۔۔۔اشارۃ النص	115
	(۳)۔۔۔دلالۃ النص	117
	(۴)۔۔۔اقتضاء النص	119
مفہوم مخالف		121

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سید الرسُل وخاتم النبیین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔اما بعد:

حقیقت یہی ہے کہ دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے ایک ایسا نظام جس میں موجودہ اور قیامت تک آنے والے مسائل ومشکلات کا حل موجود ہے یہ الگ بات ہے کہ ہر کسی کو اس کا ادراک اور فہم وسمجھ حاصل نہیں۔اس لئے کہ قرآن وسنت کے بیان کردہ احکام اور نصوص محدود ہیں جبکہ زمانہ آگے ہی آگے جارہاہے اور پھر روزانہ کی بنیاد پر پیداہونے والے مسائل کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہورہاہے۔اب محدود نصوص واحکام سے لاتعداد نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ لیکن علم اصول فقہ نے یہ مشکل آسان کردی ہے اور اس بات کو ممکن بنادیاہے کہ انہی محدود نصوص واحکام سے جدید مسائل کا استنباط کیا جاسکے۔

یہیں سے اصول فقہ کی اہمیت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتاہے اور اس کی ضرورت کو محسوس کیا جاسکتاہے۔اسی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء متقدمین اور متاخرین اصول فقہ کے موضوع پر عربی زبان میں بڑی چھوٹی کئی کتابیں تصنیف وتالیف فرمائیں ہیں جن میں اکثر کتب ہمارے درس نظامی کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔

چونکہ اصول فقہ ایک مشکل ،دقیق اور نازک فن ہے اس لئے محنت شاقہ اور کامل توجہ کا طالب ہے جبکہ فی زمانہ جہاں عقل دوانش اور فطانت وذہانت میں کمی واقع ہوئی ہے وہاں طلباء میں زمانہ ماضی جیسی محنت ،شوق، توجہ اور طلب علم کی نہ بجھنے والی

پیاس بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کا مبتدی طالب علم عربی کتب کو سمجھنے اور خود عبارت حل کرنے کی صلاحیت واستعداد سے تقریبا محروم ہو چکا ہے۔

چونکہ مدارس میں اصول فقہ کی تعلیم کا آغاز" اصول الشاشی" سے ہوتا ہے جو بذات خود اصول فقہ سے بالکل ناواقف طالب علم کے لئے ایک مشکل کتاب ہے۔اس میں طالب علم پر بیک دوذمہ داریاں آجاتی ہیں ایک عربی عبارت کو سمجھنا اور دوسرا استاد کی تقریر ومفہوم کتاب کو سمجھنا۔جس کا مشاہدہ بندہ کو بارہا اصول الشاشی پڑھانے کے دوران ہوا ہے۔

اس صورتحال کو دیکھ کر راقم کا خیال تھا کہ مبتدی طلباء کے لئے اصول الشاشی سے پہلے اس فن کے بنیادی مباحث اردو زبان میں پڑھائے جائیں تو اس کے کافی بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔لہٰذا تجرباتی طور پر دوسال اصول شاشی سے پہلے اصول فقہ کے اہم مباحث ومضامین مقامی زبان میں پڑھائے اور پھر اصول شاشی پڑھائی تو نتائج گزشتہ برس کے نسبت بہت اچھے تھے۔

بعدازاں طلباء اور بعض احباب نے اصرار کیا کہ ان مباحث ومضامین کو افادۂ عام کے لئے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔تواللہ تعالیٰ کا نام لے کر راقم نے اس پر کام شروع کیا اور تقریبا تین ماہ میں دیگر تحریری وتدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ "مختصر اصول فقہ" کے نام سے یہ رسالہ مرتب کیا۔

چونکہ یہ رسالہ طلباء کی سہولت اور آسانی کو مد نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اس لئے ہر لحاظ سے آسانی اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔عنوانات کی ترتیب میں اصول شاشی اور حسامی کی بجائے "الوجیز" کی ترتیب اختیار کی گئی ہے البتہ رسالہ کے مواد کے لئے اصول الشاشی، اجمل الحواشی، الوجیز، اصول فقہ عبیداللہ الاسعدی، آسان اصول

فقہ خالد سیف اللہ ،اصول فقہ شعیب عباسی "جزاہم اللہ احسن الجزاء" سے استفادہ کیا ہے ۔ جس کو اصول فقہ کا تفصیلی مطالعہ درکار ہو تو وہ حضرات میری دوسری کتاب "تعارف فقہ واُصول فقہ" کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

راقم نے مضامین کی تصحیح وترتیب میں حتی الوسع کوشش کی ہے لیکن پھر بھی اگر کسی صاحب کو کوئی غلطی نظر آئے تو بروقت راقم کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

یہ رسالہ دینی مدارس کے طلباء کے ساتھ ساتھ ایم اے اسلامیات کے سٹوڈنٹس، وکلاء اور قانون دانوں کے لئے بھی فوائد ومنافع کا حامل ہے۔

مدرسین حضرات سے درخواست ہے کہ وہ طلباء کو اصول شاشی پڑھانے سے پہلے "مختصر اصول فقہ" ضرور پڑھائیں ،ان شاء اللہ اس کے بہترین نتائج برآمد ہوں گے۔اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّی بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ

ابو معاویہ محمد ایاز درانی
خادم تدریس وافتاء
جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُصول فقہ

اصول فقہ کی تعریف:

هُوَ عِلْمٌ بِأُصُوْلٍ يَتَوَصَّلُ بِهَا إِلٰى اِسْتِنْبَاطِ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ۔

یعنی وہ قواعد جن کے ذریعے ادلہ شرعیہ سے عملی شرعی احکام کے اخذ کرنے کا طریقہ معلوم کیا جاسکے۔

علم اصول فقہ کا موضوع: اصول فقہ کے موضوع کے بارے میں تین اقوال ہیں:

[۱] علم اصول فقہ کا موضوع فقط دلائل اربعہ ہیں۔

[۲] فقط احکام ہیں۔

[۳] احکام اور ادلہ دونوں ہیں۔ وَهٰذَا قَوْلٌ رَاجِحٌ

علم اصول فقہ کی غرض:

تَحْصِيْلُ الْقُدْرَةِ عَلٰى اِسْتِنْبَاطِ الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَّةِ۔

یعنی ادلہ شرعیہ سے احکام شرعیہ کے استنباط کرنے کی قدرت حاصل کرنا۔

اصول فقہ کا مدون: امامنا ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۵۰ھ یا امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۰۴ھ۔

مباحث اصول فقہ

اصول فقہ کے مباحث تین اہم حصوں میں منقسم ہیں۔یعنی اصول فقہ تین چیزوں سے بحث کرتی ہیں۔

[۱]ادلہ شرعیہ [۲]احکام شرعیہ [۳] احکام شرعیہ کے استنباط کے طریقے

فائدہ: ادلہ، دلیل کی جمع اور احکام حکم کی جمع ہے۔

دلیل کی تعریف: صحیح غور و فکر کے ذریعے جب کسی آدمی کو ایک حکم معلوم ہو جائے تو اسے دلیل کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ یا اٰتُوا الزَّکٰوۃَ سے فرضیت صلوۃ اور فرضیت زکوۃ کا پتہ چلتا ہے تو یہ فرضیت کے دلائل ہیں۔

حکم کی تعریف: حکم اس چیز کا نام ہے جس سے مکلّف کے افعال کی صفتِ شرعی بیان کی جاتی ہے۔صفت شرعی جیسے فرض ،واجب ،سنت ، مستحب ، مباح ، حرام اور مکروہ وغیرہ مثلاً اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ اس سے مکلفین کے ذمہ فرضیت نماز کا حکم معلوم ہوا۔ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا سے مکلفین کے لئے سود کی حرمت کا حکم معلوم ہوا۔

وضاحت: اُصول فقہ کی تعریف میں بعض قیودات کی تشریح:

یہاں تعریف میں شرعی احکام مراد ہیں، اس لئے الاحکام الشرعیہ کہا گیا۔ جس سے احکام حسیہ جیسے اَلشَّمۡسُ مُشۡرِقَۃٌ اور اَلنَّارُ مُحۡرِقَۃٌ نکل گیا، اسی طرح احکام عقلیہ جیسے اَلۡکُلُّ اَعۡظَمُ مِنَ الۡجُزۡءِ اور احکام ھندسیہ، حسابیہ، طبعیہ، لغویہ، وضعیہ نکل گئے۔

اور عملیہ سے مراد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق عمل سے ہو ، اس قید سے احکام الاعتقادیہ نکل گئے ، کیونکہ اس کے علم کو علم العقائد ، علم الکلام ، علم التوحید والصفات اور علم اصول الدین کہتے ہیں۔

اور ادلہ تفصیلیہ اس لئے کہا گیا کہ اصل میں دلائل دو قسم پر ہیں۔ ایک دلائل اجمالیہ اور دوسرے دلائل تفصیلیہ۔ دلیل اجمالی جیسے ہم کہتے نماز کی فرضیت کتاب اللہ سے ثابت ہے تو یہ دلیل اجمالی ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ نماز کی فرضیت اللہ تعالیٰ کے اس قول اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ سے فرض ہوئی ہے تو یہ دلیل تفصیلی ہے۔ احکام کو ادلہ تفصیلیہ کے ذریعے جاننے کو فقہ کہتے ہیں نہ کہ ادلہ اجمالیہ کے ذریعے۔ اسی طرح اس قید سے مقلد کا علم بھی نکل گیا کیونکہ اُس کا علم دلیل اجمالی سے مستفاد ہوتا ہے لہٰذا ہر وہ حکم جو یہ مقلد اپنے امام کے کہنے پر ماننے یا کوئی مفتی اُس پر فتویٰ دیدے تو یہ اس مقلد کے حق میں اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھا جائے گا۔

بحث اول:

ادلہ شرعیہ

اقسام ادلہ : ادلہ کی دو قسمیں ہیں :

[۱] متفق علیہ [۲] مختلف فیہ

پھر متفق علیہ دلائل کی چار قسمیں ہیں :

[۱]قرآن [۲]سنت [۳]اجماع [۴]قیاس

اور دلائل کی دوسری قسم وہ دلائل ہیں جن کے حجت ہونے یا نہ ہونے میں جمہور علماء اور مجتہدین کا اختلاف ہے۔ بعض علماء ان سب کو دلائل مانتے ہیں اور بعض علماء بعض کو دلائل مانتے ہیں اور بعض کو دلائل نہیں مانتے۔ یہ مختلف فیہ دلائل سات قسم پر ہیں :

[۱]اِسْتِحْسَان [۲]مَصَالِحُ مُرْسَلَه [۳]عُرف

[۴]سَدِّ ذَرَائِع [۵]قَولِ صَحَابِی رضی اللہ عنہ

[۶]شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا [۷]اِسْتِصْحَاب

اب اس تفصیل کے بعد دلائل شرعیہ کے کل گیارہ اقسام بن گئے۔ ہر ایک کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

کتاب اللہ یعنی قرآن

متفق علیہ دلائل میں اول کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے۔

تعریف : اَلْقُرْآنُ هُوَ كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِوَاسِطَةِ الْجِبْرِيْلِ عَلَيْهِ السَّلَامَ اَلْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ اَلْمَنْقُوْلُ اِلَيْنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَقْلاً مُتَوَاتِراً بِلَاشُبْهَةٍ۔

یعنی قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جو بواسطہ جبرائیل رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اور مصاحف میں محفوظ ہے۔ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نقل متواتر کے ساتھ پہنچا ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ پر تیرہ سال مکی اور دس سال مدنی زندگی میں ضرورت وحالت کی مناسبت سے اللہ کی جانب سے تدریجاً نازل ہونے والی کتاب " قرآن" ہے۔ مکی دور میں نازل ہونے والا حصہ زیادہ تر توحید کی دعوت اور رسالت، موت کے بعد زندگی اور قیامت کے عقیدہ کو ذہنوں اور دلوں میں بٹھانے سے متعلق ہے۔

یا۔۔۔ اس میں قانون سازی کی عام بنیادوں کا ذکر ہے، یا اس میں فضائل اخلاق، آداب یا گزشتہ انبیاء واقوام کے متعلق بیان ہے تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ کیونکہ یہاں مسلمان انفرادی طور پر جدوجہد میں مصروف تھے مگر جب پہلی ہجری میں مدینہ کو پہلی باقاعدہ اسلامی ریاست بننے کا شرف حاصل ہوا تو اجتماعی معاملات سے سابقہ پڑنا ایک لازمی امر تھا، اس لئے اس ضرورت کے پیش نظر یہاں جو حصہ نازل ہوا وہ عبادات، معاملات، خاندانی نظام، وراثت، جہاد، اجتماعی و بین الاقوامی تعلقات اور اُمور مملکت وغیرہ سے متعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قانون سازی کے نقطہ نظر سے مدنی دور زیادہ اہم ہے۔

قرآن کس چیز کا نام ہے :

اس کے بارے میں ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نور الانوار میں قول مختار کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْقُرْاٰنُ هُوَ اِسْمٌ لِلنَّظْمِ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا۔

یعنی قرآن لفظ و معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ یعنی قرآن کے لفظ اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ پھر وہ آیات جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کی تعداد کے متعلق صاحب نور الانوار نے لکھا ہے کہ وہ 500 آیات ہیں، اس کے علاوہ باقی آیات اخبار و قصص اور وعد وعید وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

قرآن اور غیر قرآن میں فرق:

پس فرق کیا جائے گا الفاظ قرآن اور معانی قرآن کے درمیان۔ کیونکہ الفاظ اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اور الفاظِ قرآن کے جو معانی ہیں اگرچہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالی کا مراد ضرور ہے۔ علمائے کرام جو ترجمہ کرتے ہیں وہ فقط ایک تعبیر ہے۔ اس لئے قرآن کریم کے ترجمے کو تعبیری ترجمہ کہا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ہیں اور معانی من جانب اللہ ہیں۔ قرآن سے پہلے جو کتب سماوی نازل کی گئیں ہیں اگرچہ وہ جس وقت نازل کی گئیں اس وقت اللہ کی جانب سے تھیں لیکن وہ بھی قرآن پاک کا حصہ نہیں اور نہ ان کو قرآن میں سے شمار کیا جائیگا۔ اس کے لئے علماء کرام تین وجوہ ذکر کرتے ہیں۔

[۱] ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ کتب سابقہ تواتر کے ساتھ اس امت تک نہیں پہنچیں۔اس لئے وہ قرآن میں سے نہیں۔

[۲] سابقہ کتب تورات ،انجیل اور زبور عبرانی وسریانی زبان میں تھیں جبکہ قرآن کریم عربی زبان میں ہے۔اس لئے وہ کتب قرآن کا حصہ نہیں۔

[۳] علاوہ ازیں شاذ قرأتیں جو تواتر کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچیں مثال کے طور پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ قراءت وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحْمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذَالِكَ۔ یہ قراءت شاذہ ہے۔اس لیے قرآن کریم کے مصداق میں داخل نہیں۔

قرآنی احکام کی تقسیم:

قرآن کریم میں احکام کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں:

[۱]اعتقادی احکام: جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان، مکلّف پر واجب ہونے سے متعلق ہیں۔

[۲]اخلاقی احکام: جو مکلّف کے اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے اور رذائل اخلاق سے چھٹکارا دلانے کے وجوب سے متعلق ہیں۔

[۳]احکام عملیہ: جو مکلّف کے اقوال وافعال اور عقود وتصرفات سے متعلق ہیں۔ بس فقہ میں یہی مقصود ہیں اور فقہ واصول فقہ کا مقصد بھی ان سے واقفیت اور ان تک رسائی ہے۔

پھر احکام عملیہ دو قسم پر ہیں۔ اول عبادات جیسے نماز وروزہ وغیرہ جن کا مقصد فرد کا رب سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ دوم معاملات جو ذاتی قانون کی صورت میں ہوتے ہیں اور پھر ان معاملات کو مزید سات قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

مضامین کے لحاظ سے قرآنی احکام کی تقسیم:

[۱] خاندانی احکام یعنی عائلی قوانین:

یہ وہ احکام ہیں جو اس قانون کے دائرے میں آتے ہیں جن کو جدید اصطلاح میں عائلی قانون یا شخصی قوانین کہا جاتا ہے جیسے نکاح، طلاق، اولاد، نسب، ولایت وغیرہ۔ ان احکام کا مقصد خاندان کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا اور اس کے افراد کے حقوق وفرائض کو بیان کرنا ہے۔ ان احکام سے متعلق آیات کی تعداد تقریباً ستر [۷۰] ہے۔

[۲] وہ احکام جن کا لوگوں کے مالی معاملات سے تعلق ہے جیسے خرید وفروخت، رہن اور عقود۔ یہ احکام اس قانون کے دائرے میں آتے ہیں جن کو موجودہ اصطلاح میں دیوانی قوانین کہا جاتا ہے ان سے متعلق آیات کی تعداد تقریباً ستر [۷۰] ہے۔

[۳] قضاء شہادت اور قسم کے بارے میں احکام:

ان کا مقصد عدالتی کارروائیوں کو منظّم کرنا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان انصاف قائم کیا جاسکے۔ یہ احکام دور حاضر کے قانون عدل میں داخل ہیں ان آیات کی تعداد تقریباً تیرہ (۱۳) ہے۔

[۴] جرم وسزا سے متعلق احکام:

یہ اسلام کا فوجداری قانون ہے ان آیات کی تعداد تقریباً تیس (۳۰) ہے۔ ان کا مقصد لوگوں کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہے نیز معاشرہ میں اطمینان وسکون قائم کرنا ہے۔

[۵] نظام حکومت ،حاکم ومحکوم کے درمیان تعلق کی وسعت اور حاکم ومحکوم کے حقوق وفرائض سے متعلق احکام، یہ احکام دور حاضر کے دستوری قانون میں داخل ہیں۔ ان اُمور سے متعلق آیات کی تعداد دس (۱۰) ہے۔

[۶] اسلامی سلطنتوں کا دوسری سلطنتوں کے ساتھ معاملہ، ان کے تعلقات کی حدود، زمانہ جنگ وامن میں ان تعلقات کی نوعیت اور ان تعلقات کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے نتائج سے متعلق احکام، اسی طرح ان میں وہ احکام بھی شامل ہیں جو اسلامی سلطنت میں دوسرے ملکوں کے پناہ لینے والے یا آنے والے لوگوں سے متعلق ہیں۔ ان میں سے بعض احکام تو عام بین الاقوامی قوانین کے دائرے میں داخل ہیں اور بعض خصوصی [پرائیویٹ] بین الاقوامی قانون شامل ہیں۔ ان آیات کی تعداد تقریباً پچیس (۲۵) ہے۔

[۷] اقتصادی احکام:

یہ احکام اسلامی سلطنت کی آمدو خرچ ، معاشی نظام اور مالداروں کی دولت میں دوسرے افراد کے حقوق سے متعلق ہیں ان کی تعداد تقریباً دس (۱۰) ہے۔

اسلوب قرآن کریم

قرآن کریم کا اسلوب بیان کچھ اس طرز پر ہے کہ قرآن کبھی ایک چیز کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور کبھی ایک چیز سے منع کرتا ہے۔ اور کبھی کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے لئے مختلف طریقے اور انداز اختیار کرتا ہے۔

عنوان اوّل: کسی کام کے کرنے کا مطالبہ:

قرآن کریم میں مختلف قسم کے مطالبے ذکر کئے جاتے ہیں اور ان مطالبات کیلئے مختلف طریقے اپنائے گئے ہیں جو تقریباً چھ ہیں:

[۱] لفظ امر کے ساتھ: جیسے إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ۔ [نحل:۹۰]

[۲] صیغہ امر کے ساتھ جیسے اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ، اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وغیرہ

[۳] کسی کام کے خیر اور نیکی ہونے کا اطلاع دینا: جیسے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ [البقرہ:۲۸۰]

[۴] کسی کام کے فرض ہونے کا حکم اور خبر دینا جیسے

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى۔ [بقرہ:۲۸۰]

[۵] کسی کام پر ثواب اور حسن جزاء کا وعدہ جیسے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ [المؤمنون:۱]

[۶] کسی فعل کا ذکر، شرط اور جزاء کی صورت میں کیا جانا۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ۔ [بقرہ:۲۸۰]

عنوان دوم: کسی کام سے منع کرنے کا طریقہ کار

کسی کام کے منع کرنے کے طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

[۱] کبھی قرآن، لفظ تحریم سے منع ثابت کرتا ہے۔ جیسے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ [مائدہ:۳]

[۲] کبھی لفظ نہی سے منع ظاہر کرتا ہے۔ جیسے

يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ [نحل:۹۰]

[۳] کبھی صیغہ نہی کو ذکر کرتا ہے۔ جیسے

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ [بقرۃ:۱۹۵]

[۴] کبھی فعل کے ترک کرنے کا امر کرتا ہے۔ جیسے

وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا۔ [بقرۃ:۲۷۸]

[۵] کبھی قرآن کسی چیز کی حلت کو نفی کرتا ہے۔ جیسے

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا [نساء:۱۹]

[۶] کبھی کسی فعل کے بُرا ہونے کی خبر دیتا ہے۔ جیسے

لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ۔ [العمران:۱۸۰]

[۷] کبھی کسی فعل کے صالح اور نیک نہ ہونے کی خبر دینا۔ جیسے

لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ [بقرۃ:۱۸۹]

[۸] کبھی کسی فعل کے ساتھ وعید کا ذکر کرنا جیسے

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآئُهٗ جَهَنَّمُ۔ [نساء:۹۳]

[۹] کبھی کسی فعل کی طرف گناہ کی نسبت کرنا جیسے

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ [بقرۃ:۱۸۱]

عنوان سوم : اختیار

کسی فعل کے مباح ہونے اور اختیار دینے کے لئے قرآن کریم نے مندرجہ ذیل طریقے اپنائے ہیں:

[۱] کبھی قرآن کریم کسی فعل کو حلال قرار دیتا ہے۔ جیسے

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ [مائدہ:۵۵]

[۲] کبھی کسی فعل سے گناہ کی نفی کرتا ہے۔ جیسے

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ [بقرہ:۱۷۳]

[۳] کبھی حرج کو نفی کرتا ہے۔ جیسے

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ [احزاب:۱۷]

[۴] کبھی کسی نعمت ومنفعت کا ذکر بطریقہ احسان جتانے کے کرتا ہے جیسے

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ [نحل:۵]

[۵] کسی فعل کے تحریم کو رد کرنا کہ یہ فعل حرام نہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

[اعراف:۳۲]

[۶] کسی چیز کے بارے میں یہ خبر دینا کہ یہ چیز اللہ نے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مسخر بنایا ہے۔ یہ بھی اباحت کی دلیل ہے۔ جیسے

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا [بقرہ:۱۹]

اقسام دلالت : یعنی دلالت کے اقسام، قرآن کے احکام پر۔

دلالت دو قسم پر ہے: [۱] دلالت قطعیہ [۲] دلالت ظنیہ

یعنی قرآن کریم جب کسی حکم وغیرہ پر دلالت کرے گا تو یا تو وہ دلالت قطعی ہوگی اور یا ظنی ہوگی۔

[۱] دلالت قطعی: وہ دلالت جس کی مراد صرف اور صرف ایک متعین اور معلوم چیز ہو، کسی دوسرے معنی وغیرہ کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ جیسے

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ [النور:۲]

دوسری مثال:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ [نساء:۱۱]

مذکورہ آیت میں سو کوڑے لگانے کا جو حکم ہے اور اسی طرح عورت کے مقابلے میں مرد کے حصے کا دو چند ہونا، یہ دونوں امور قطعی الدلالت ہیں یعنی الفاظ کی دلالت اپنی معانی پر بالکل واضح اور متعین ہے اور کسی دوسرے معنی کا احتمال اور گنجائش اس میں نہیں ہے۔

[۲] دلالت ظنی: یعنی کلام میں ایک سے زائد معانی کے احتمال کا موجود ہونا۔ یعنی مطلوب کے علاوہ اس میں دوسرے معنی کی گنجائش بھی معلوم ہوتی ہو۔ جیسے

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ [بقرہ:۲۲۸]

مذکورہ آیت میں جو لفظ قروء آیا ہے اس میں ایک سے زائد معانی کا احتمال اور گنجائش موجود ہے۔ اسی وجہ سے بعض نے اس سے طہر مراد لیا ہے اور بعض نے حیض مراد لیا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ لفظ کی دلالت تین حیض پر ظنی ہے۔

اگرچہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن کریم کی ہر آیت قطعی ہے لیکن معنی مراد پر دلالت کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتی ہے۔

بحث سنتِ رسول اللہ ﷺ

نبی اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث اور سنت کہتے ہیں۔ قول سے مراد نبی اکرم ﷺ کے ارشادات ہیں جسے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ ۔ فعل سے مراد نبی اکرم ﷺ کے افعال و معمولات ہیں جیسے

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْدُوْا إِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ تُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهَا۔ [بخاری]

اور تقریر سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا اور نبی اکرم ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کرکے اس کو جائز رکھا اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی، تو اس کو تقریر کہتے ہیں۔

حجیت حدیث :

رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کے حجت ہونے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم سب متفق ہیں اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے خود اس کا حکم دیا ہے۔ جیسے

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا [مائدۃ:۹۲]

اس طرح مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [نساء:۸۰]

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

يُوْشَكُ رَجُلٌ مِّنْكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِيْ فَيَقُوْلُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ اِسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ اَلَا وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔

وہ زمانہ قریب ہے کہ ایک شخص اپنے بستر پر بیٹھ کر میرا حدیث بیان کرے گا اور پھر کہے گا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے تو جو چیز اس میں حلال ہے ہم بھی اس کو حلال کہیں گے اور جو چیز اس نے حرام قرار دیا ہے ہم بھی اس کو حرام قرار دیں گے۔ خبردار اس شخص سے بچے رہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو چیز نبی اکرم ﷺ نے حرام کیا ہے وہ اللہ تعالی کی حرام کردہ چیز کی طرح ہیں۔

الغرض حجیت حدیث سے انکار کفر اور گمراہی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی طرح سنت بھی مستقل بالذات قابل استناد، دین کا ماخذ اور شریعت کا مصدر ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت مطہرہ، تشریحی احکام میں مستقل حیثیت کی حامل ہے۔ کسی چیز کو حلال قرار دینے یا حرام کرنے میں اس کا درجہ قرآن کریم ہی کی طرح ہے۔

سنت مطہرہ کی حجیت کا ثبوت اور تشریح احکام میں اس کی مستقل حیثیت ایک اہم دینی ضرورت ہے اور اس کا مخالف وہی شخص ہے جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

سنت کے مستقل حجت شرعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث سے جو حکم ثابت ہو جائے وہ مسلمان کے لیے قابل اطاعت ہے، چاہے اس کی صراحت قرآن کریم میں ہو یا نہ ہو۔ آپ ﷺ کے صرف وہی فرمودات قابل اطاعت نہیں ہوں گے جن کی صراحت قرآن کریم میں آگئی ہو۔

حدیث یا سنت کے اقسام:

رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں:

[۱] متواتر [۲] مشہور [۳] خبر واحد

متواتر کی تعریف:

وہ حدیث جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک یعنی امام بخاری، مسلم اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اپنی کتابوں میں درج کرنے تک تواتر کے ساتھ نقل ہو یعنی ہر دور میں اتنے زیادہ لوگوں اور بڑی جماعت نے اس کو نقل کیا ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا عادتاً ممکن نہ ہو۔

اسی وجہ سے متواتر احادیث بہت کم ہیں اور تواتر کیلئے ہر ہر طبقہ میں کم از کم دس دس افراد کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے

☆ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ - یہ حدیث ۹۸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل ہے۔

☆ مسح علی الخفین والی روایت چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

☆ اسی طرح حوضِ کوثر والی حدیث جو کو اس کو ۵۰۰ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے۔

حدیث متواتر کا حکم:

متواتر حدیث قطعی الثبوت ہے اور یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح کی احادیث سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں ان سے بغیر کسی مناسب تاویل کے انکار کفر ہے۔

حدیث مشہور کی تعریف:

وہ حدیث جو اس کے ہر طبقے اور ہر زمانے میں کم از کم تین راویوں نے یا تین سے زیادہ راویوں نے نقل کی ہو لیکن کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہو البتہ دس سے کم ہو۔

حدیث مشہور کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ علم جس سے انسان کا دل مطمئن ہو جائے البتہ یہ متواتر کی طرح یقین کا فائدہ نہیں دیتا اور نہ اس کی سند کی صحت یقینی

ہوتی ہے۔اس کی سند کے بارے میں جانچ پڑتال کی جائے گی یعنی اس کی سند کی صحت اور عدم صحت کو علم اصول حدیث کے قواعد کی روشنی میں پرکھنا جائے گا۔

حدیث مشہور کے ذریعے قرآن کے عموم میں تخصیص کرنا اور مطلق کو مقید کرنا جائز ہے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک نے وصیت کے درست ہونے کو مطلق رکھا ہے۔ جیسے مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ [نساء] لیکن حدیث نے اس کو ایک ثلث کی حد تک مقید کر دیا ہے اور ثلث سے زائد کو ناجائز قرار دیا ہے۔جیسے حدیث میں ہے فَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ کے الفاظ اس پر دال ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک نے میراث کے حکم کو اپنے عموم پر رکھا ہے کہ اولاد کے لئے میراث ہے جیسے يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ [نساء] لیکن حدیث نے اس عموم کو خصوص سے بدل کر باپ کے قاتل بیٹے کو میراث سے محروم کر دیا ہے کہ جس نے اپنے باپ کو قتل کیا، اس کو باپ کے میراث سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ جیسے اَلْقَاتِلُ لَا يُوْرَثُ ۔

خبر واحد کی تعریف:

خبر واحد وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں کہیں نہ کہیں ایک طبقہ میں بھی اگر ایک راوی نے حدیث نقل کی ہو۔وہ خبر واحد کہلائے گا۔

خبر واحد کا حکم:

خبر واحد کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر واجب العمل ہے لیکن علم یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔اسی وجہ سے عقائد کے مسائل حدیث متواتر سے تو ثابت ہو سکتے ہیں۔ خبر واحد اور حدیث مشہور سے ثابت نہیں ہو سکتے، البتہ اس سے فقط عمل کے متعلق مسائل ثابت ہو سکتے ہیں۔

اجماع

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد امت کے مجتہدین کا کسی زمانے میں کسی شرعی حکم پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔اس تعریف سے معلوم ہوا کہ

۱ ... نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں اجماع معتبر نہیں۔

۲ ... عام مسلمان جب کسی امر پر اتفاق کر لیں تو اسے اجماع نہیں کہتے۔

۳... اکثر مجتہدین کی رائے کو بھی اجماع نہیں کہا جا سکتا۔

۴... کسی عقلی بات پر اتفاق کرنا بھی اجماع نہیں کہلاتا۔

اقسام اجماع

پھر اجماع دو قسم پر ہے : [۱] اجماع قولی [۲] اجماع سکوتی

۱۔ اجماع قولی:

اجماع قولی یہ ہے کہ سب مجتہدین صراحتًا کسی رائے پر اتفاق کا اظہار کر لیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دادی (جدہ) کے لئے میراث میں سدس پر صراحتًا اور قولًا اجماع کیا۔اور اس پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے تھے۔

۲۔ اجماع سکوتی:

اجماع سکوتی یہ ہے کہ بعض مجتہدین کسی مسئلے میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں اور باقی مجتہدین سکوت اختیار کر لیں۔اجماع کی اسی قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

مثلًا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت پر زنا کی حد جاری کروانی چاہی تو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو اس عورت کو سزا دینے کا حق تو حاصل ہے لیکن عورت کے پیٹ میں جو بچہ ہے اُسے سزا دینے کا حق حاصل نہیں کیونکہ اس میں اس بچے کا کیا قصور۔تو اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فی الحال حد جاری کرنے کا ارادہ چھوڑ

دیا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس بات پر سکوت اختیار کر لیا۔ لہٰذا زانیہ حاملہ کو وضع حمل تک سزا نہ دینے کے حکم پر اجماع سکوتی منعقد ہوئی ہے۔

[۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو خطبہ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات ہو گئے ہیں تو اس پر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت اختیار کیا اور خاموش ہو گئے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کلام کو رد نہیں کیا۔ تو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ایک اجماعی مسئلہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس پر اجماع سکوتی منعقد ہوئی ہے۔

اجماع کے شرائط:

[۱] اجماع سکوتی اس وقت معتبر ہوتی ہے جب اس مجتہد کی رائے دوسرے مجتہدین تک پہنچی ہو اور انہوں نے سکوت اختیار کر لیا ہو۔

[۲] اس مجتہد کی رائے پر اتنا زمانہ گزر گیا ہو کہ دوسرے اہل علم حضرات کے لئے اس میں غور و حوض کرنا ممکن ہو۔ باوجود اسکے وہ اہل علم سکوت اختیار کر لیں تب جا کر ہم کہیں گے کہ اس امر پر اجماع سکوتی منعقد ہوئی ہے۔

[۳] اگر ایک مجتہد غلطی سے کسی قطعی اور منصوص مسئلہ میں نص کے خلاف فتوی دے اور باقی مجتہدین اس پر سکوت اختیار کر لیں تو یہ بھی اجماع کی دلیل نہیں کیونکہ انہوں نے گویا کہ اس کی بات کی طرف التفات ہی نہیں کیا اس لئے کہ اس کا فتوی خلاف نص ہے۔

حجیت اجماع:

کتاب اللہ کی کم از کم پانچ آیات ایسی ہیں جن سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ دلیل: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ [ال عمران: ۱۰۳]

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تفرق وانتشار سے روکا ہے اور ظاہر ہے کہ اجماع کی مخالف تفرق ہے پس وہ ایسی چیز ہو گی جس سے منع کیا گیا ہے اور اجماع کا اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں جس کی مخالفت سے روکا گیا ہو۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس آیت میں اجماع کی صحت پر دلیل ہے یہ بات اپنی جگہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔

۲۔ دلیل: حجیت اجماع کی دلیل یہ آیت مبارکہ بھی ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا [نساء: ۱۱۰]

اس آیت مبارکہ میں سبیل المومنین سے مراد اجماع ہے۔ جبکہ اس سے انحراف غیر کا اتباع ہے۔

☆ حجیت اجماع کی دلیل حدیث سے۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلٰلَةِ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

لیکن اس سے مراد عوام نہیں بلکہ علماء کرام اور مجتہدین مراد ہیں۔ کہ میری امت کے علماء کرام سب کے سب ایک غلط بات پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس امت کے فقہاء جب کسی امر پر اتفاق کر لیں تو وہ حق ہو گا اور پھر اس کی اتباع کرنا واجب ہوتا ہے۔

☆ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لَيْسَ اَحَدٌ اَنْ يُّفَارِقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

یعنی اگر کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت سے ایک بالشت کے برابر بھی دور ہوا، اور جماعت سے جدائی اختیار کر لی اور اسے موت اسی حالت میں آگئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمہور علماء کے نزدیک عوام کی بات چاہے موافقت میں ہو یا مخالفت میں معتبر نہیں کیونکہ شرعی امور میں عوام اہل نظر نہیں ہیں اور وہ دلیل وحجت کا فہم بھی نہیں رکھتے۔

الغرض علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اس کے ذریعے جو بات ثابت ہو اس پر عمل ہر مسلمان پر لازمی ہے۔

مسلم الثبوت میں ہے: اجماع حجت قطعی ہے یہ یقینی علم کا فائدہ پہنچاتا ہے سبھی اہل قبلہ کا موقف یہی ہے۔

سند اجماع:

سند اجماع سے مراد اجماع کی بنیاد ہے۔اور یہ چار چیزیں ہیں:

[۱] کتاب اللہ [۲] سنت رسول اللہ ﷺ [۳] قیاس [۴] مصلحت

[۱] وہ اجماع جس کا سند قرآن کریم ہو یعنی اس کا ثبوت قرآن کریم سے ہو۔اس کی مثال جدہ (دادی، نانی) کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ قرآن کریم نے صرف ماں کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت ذکر کی ہے لیکن امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس حرمت میں جدہ بھی داخل ہے کیونکہ جدہ ماں کی اصل ہے اور ماں کا حکم رکھتی ہے۔

[۲] وہ اجماع جس کی سند حدیث ہو۔یعنی اس کا ثبوت حدیث سے ہو۔اس کی مثال جیسے: لَا تُنْكَحُ الْمَرْئَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا عَلٰى إِبْنَةِ أَخِيْهَا وَلَا عَلٰى إِبْنَةِ أُخْتِهَا

یعنی وہ دو عورتیں جن کا آپس میں محرم ہونے کا رشتہ ہو تو ان کا ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص کے نکاح میں جمع ہونا منع ہے جیسے دو بہنیں یا ماں اور بیٹی، اسی طرح ایسی دو رشتہ دار عورتیں بھی ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض

کیا جائے اور دوسری کو عورت تو ان کے درمیان آپس میں نکاح کرنا ناجائز ہو تو پھر ان کا ایک نکاح میں جمع کرنا بھی ناجائز ہوگا جیسے پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی وغیرہ۔

[۳] وہ اجماع جس کی سند قیاس ہو یعنی اس کا ثبوت قیاس سے ہو اس کی مثال جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت صغری پر اس کی امامت کبری قیاس کرنا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جماعت کی نماز پڑھا کر امامت صغری کے فرائض انجام دیئے، اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ بس سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے حقدار ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کبریٰ کو ان کی امامت صغریٰ پر قیاس کیا اور پھر اس پر اجماع ہوا۔

[۴] وہ اجماع جس کی سند مصلحت ہو یعنی اس کا ثبوت مصلحت سے ہو جیسے قرآن کے جمع کرنے پر اجماع کرنا۔ قرآن کے جمع کرنے کا ذکر نہ قرآن کریم میں موجود تھا۔ نہ حدیث سے ثابت ہے نہ قیاس سے۔ بلکہ فقط مصلحت کے پیش نظر قرآن کو جمع کیا گیا۔

اجماع کے مراتب اور اجماع کے مختلف قسموں کا حکم:

[۱] تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی واقعہ پر صراحتاً قولی یا فعلی اجماع جیسے خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجماع۔ پس اجماع کی یہ قسم قرآن کریم کی آیت کی طرح علم و عمل میں قطعیت ویقینیت پیدا کرتا ہے۔ یہ اجماع عزیمت کی اعلیٰ قسم ہے لہٰذا اس کا منکر کافر کہلائے گا۔

[۲] وہ اجماع جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصریح اور بعض کے سکوت سے ثابت ہو اس کا حکم خبر متواتر کی طرح ہے بشرطیکہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ یہ قسم بھی علم و عمل کے لحاظ سے موجب قطعیت ویقینیت ہے۔ لیکن اول قسم سے درجہ میں کم ہے اور یہ اجماع رخصت اور اجماع سکوتی ہے۔ مثال کے طور پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاقوں کو تین واقع کرنے پر تصریح اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سکوت اختیار کرنا۔ اس قسم کے اجماع سے انکار کفر نہیں البتہ گمراہی ضرور ہے۔

[۳] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین، تبع تابعین کا کسی ایسے امر پر اجماع کرنا جس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی بات منقول نہ ہو بشرطیکہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی اختلاف نہ ہو۔ پس اجماع کی یہ قسم بمنزلہ خبر مشہور کی ہے کہ موجب علم طمانیت ہے۔ مثلاً بیع استصناع کے صحیح ہونے پر اجماع۔ بیع استصناع سے مراد وہ بیع ہے جس میں مبیع کے بنانے کا آرڈر ہو اور فی الحال بیع کے وقت مبیع موجود نہ ہو۔ لہٰذا قیاس کی رو سے یہ معدوم کی بیع ہے۔ اسلام میں یہ ناجائز ہونا چاہئے مگر باجود اس کے تابعین نے اس کی صحت پر اجماع کیا ہے۔ ایسے اجماع کا منکر نہ گمراہ ہے نہ کافر۔

[۴] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک حادثے میں مختلف اقوال منقول ہوں مگر تابعین یا تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے ان مختلف اقوال میں سے ایک قول پر اجماع کیا ہو۔ پس اجماع کی یہ قسم خبر واحد صحیح کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی یہ موجب علم ظنی ہے اور ظن کا فائدہ دیتا ہے۔ اس پر عمل واجب ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض احناف کے نزدیک اس پر عمل واجب نہیں۔ مثلاً اُم ولد کی بیع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف اقوال منقول ہیں لیکن بعد میں تابعین سے اس کی عدم جواز پر اجماع منقول ہے۔

[۵] کسی واقعے اور حادثے کے حکم پر مجتہدین نے اتفاق کیا ہو اور اس حکم کی علت بھی مجتہدین کے نزدیک متفق علیہ ہو جیسے ایام ماہواری میں سیلان خون کے وقت وضو کا ٹوٹنا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس حکم کی علت پر بھی دونوں متفق ہیں کہ وہ خروج نجاست ہے۔ تو اس قسم کو اجماع غیر مرکب کہتے ہیں۔ اور اجماع کی یہ قسم حجت ہے کیونکہ اس کے حکم اور علت میں کسی قسم کا اختلاف ہے اور نہ فساد کا وہم۔

[۶] کسی حادثے اور واقعے کے حکم پر تو ائمہ مجتہدین نے اتفاق کیا ہو لیکن اس کی علت مجتہدین کے نزدیک ایک امر مختلف فیہ ہو۔ جیسے ایک باوضو شخص الٹیاں (قے) کرے اور ایک عورت کو ہاتھ بھی لگائے تو اس شخص کے وضو ٹوٹنے پر ائمہ مجتہدین نے اتفاق کیا ہے۔

لیکن وضو ٹوٹنے کی علت ہر ایک کے نزدیک مختلف ہے۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹنے کی علت اور وجہ الٹیاں کرنا ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹنے کی علت عورت کو ہاتھ لگانا یعنی مس امرءۃ ہے۔اس کو اجماع مرکب کہتے ہیں ، اجماع کی یہ قسم حجت نہیں کیونکہ اس کی علت میں اختلاف ہے البتہ ایک قیاسی مسئلہ ضرور ہے۔

قیاس

قیاس کی تعریف:

قیاس لغت میں اندازہ کرنے اور کسی چیز کا دوسری چیز سے مقابلہ کرنا، گویا قیاس کا معنی عام طور پر دو چیزوں کو برابر کرنے کے ہیں۔اور اصطلاح میں اِطْلَاقُ حُكْمِ الْاَصْلِ عَلَى الْفَرْعِ لِاِشْتِرَاكِ الْعِلَّةِ بَيْنَهُمَا یعنی علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے غیر منصوص پر منصوص کا حکم لگانا قیاس کہلاتا ہے۔منصوص سے مراد اصل اور غیر منصوص سے مراد فرع ہے۔علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ قیاس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"حکم اور علت میں فرع کا اصل سے موازنہ کرنا قیاس کہلاتا ہے۔"

ارکان قیاس:

قیاس کے چار ارکان ہیں: [۱] اصل [۲] فرع [۳] حکم [۴] علت

[۱]اصل: اصل سے مراد وہ مسئلہ یا وہ صورت ہے جو کتاب اللہ اور سنت میں صراحتاً ذکر ہو یا اجماع سے ثابت ہو۔اس اصل کو مقیس علیہ بھی کہتے ہیں۔

[۲] فرع: فرع سے مراد وہ مسئلہ یا وہ صورت ہے جو صراحتاً نص میں ذکر نہ ہو یعنی قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت نہ ہو لیکن غیر منصوص صورت پر اصل کا حکم لگایا جائے۔ فرع کا دوسرا نام مقیس ہے۔

[۳] حکم: حکم وہ اثرِ مرتبہ ہے جو منصوص میں مذکور ہو اور اس کو منصوص سے غیر منصوص کی طرف منتقل کیا گیا ہو یعنی اس کی تعدیت منصوص سے غیر منصوص کی طرف ہو۔ جیسے شراب کی حرمت۔

[۴] علت: علت اُس وجہ کا نام ہے جو اصل میں موجود ہو اور اُس پر خاص حکم لگایا گیا ہو۔ پھر وہ حکم فرع کی طرف متعدی کیا گیا ہو جیسے قرآن میں انگور کی شراب کی حرمت نازل کی گئی ہے۔ لیکن علماء کرام نے اس پر کھجور کی شراب کو بھی قیاس کیا ہے۔ جیسے سورۃ یوسف میں ارشاد ربانی ہے: "اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا" اس میں انگور کی شراب مقیس علیہ ہے اور کھجور کی شراب چونکہ اس پر قیاس کی گئی ہے اس لئے یہ فرع اور مقیس بن گئی۔ اور اس کا حکم حرام ہونا ہے جبکہ اصل میں اس کے حکم کی علت سکر [نشہ] ہے جو فرع میں موجود ہے۔ اس لئے فرع کے لئے بھی وہی حکم ثابت کیا جائے گا جو اصل کے لئے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ علت (نشہ) دونوں قسم شراب میں موجود ہے۔

مثال: قرآن پاک میں ہے: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ۔ [مائدہ:]

اس آیت میں شراب کو حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مجتہدین نے اس میں غور وفکر کرکے اس سے یہ بات معلوم کی کہ شراب کے حرام ہونے کی علت اور وجہ سکر (نشہ) ہونا ہے تو پھر مجتہدین نے یہی علت یعنی سکر، بھنگ میں بھی پایا لہٰذا اس پر بھی حرمت کا حکم لگایا۔

وضاحت:

شراب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مقیس علیہ اور اصل ہے۔
بھنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مقیس اور فرع ہے۔
سکر (نشہ آور ہونا)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علت ہے
اور حرمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کا حکم ہے۔

حجیت قیاس:

قیاس شرعی کے حجت ہونے پر آئمہ اربعہ اور تمام فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے۔ قرآن کریم بھی اس کے جائز اور حجت ہونے پر شاہد ہے۔ سورۃ حشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يَا أُوْلِي الْأَبْصَارِ۔ [حشر: ۲]

یہاں اعتبار سے مراد اکثر علماے کرام کے نزدیک قیاس ہے۔ اسی طرح سورۃ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِلٰى أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيْلًا۔ [نساء:]

اسی طرح جب سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قاضی اور والی بنا کر یمن بھیج رہے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے ارشاد فرمایا:

بِمَا تَقْضِيْ يَا مُعَاذُ۔ قَالَ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْهِ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَأْيِيْ۔

جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کس طرح کروگے؟
عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔
فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہ ملا تو؟
عرض کیا: پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔
فرمایا: اگر اس میں بھی تمہیں اس سے متعلق کوئی واضح حکم نہ ملا تو کیا کروگے؟

عرض کیا: تو پھر میں اجتہاد کروں گا اور اپنی طرف سے صحیح فیصلہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر شاباش دی اور فرمایا:

شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو ایسی بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول ﷺ راضی ہے۔ [ابوداؤد، ترمذی، دارمی، مسند احمد]

اسی طرح ایک اور حدیث سے بھی قیاس کی دلیل ملتی ہے:

عَنْ اِبنْ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، قَالَ: اَتٰی رَجُلٌ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ اُخْتِیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ، وَاِنَّهَا مَاتَتْ،فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَاقْضِ دَيْنَ اللّٰهِ، فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَآءِ۔ [متفق علیہ]

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا: میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ فوت ہو گئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اُس نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا قرض ادا کرو۔ اللہ کا قرض زیادہ لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ نے حج کو اللہ کا قرض کہہ کر اسے مال کے قرض پر قیاس کیا اور فرمایا کہ جس طرح بندوں کا قرض ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی شخص آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی کے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ میرا ہے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا ان میں کچھ گندمی رنگ کے بھی

ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کہاں سے آگئے؟ اس نے جواب میں کہا: کوئی رگ ہو گی جس کا اس میں اثر آگیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بچے کے ساتھ بھی یہی صورت ہو سکتی ہے۔ اس میں بھی کسی رگ کا اثر آگیا ہوگا۔

[بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی]

شرائط قیاس:

قیاس کے لئے چند بنیادی شرائط ہیں۔ جن میں سے بعض عام ہیں اور بعض کا تعلق فرع کے ساتھ جب کہ بعض کا تعلق علت کے ساتھ ہے۔

عام شرائط:

[۱] قیاس، نص کے مقابل نہ ہو ورنہ پھر وہ صحیح نہ ہوگا۔

[۲] قیاس کی وجہ سے نص کے احکام میں سے کسی حکم میں تبدیلی نہ آتی ہو ورنہ پھر قیاس صحیح نہ ہوگا۔

[۳] قیاس وہ معتبر ہے جو شریعت کا کوئی حکم ثابت کرتا ہے، اگر قیاس کے ذریعے حکم شرعی کے علاوہ حکم لغوی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہو تو یہ قیاس درست نہیں کیونکہ لغت کے احکام، قیاس سے ثابت نہیں ہو سکتے۔

اصل کے متعلق چند شرائط:

[۱] اصل اور مقیس علیہ کا حکم خود اس مقیس علیہ کے ساتھ خاص نہ ہو۔ ورنہ جو حکم مقیس علیہ کے ساتھ خاص ہوگا تو پھر اس پر کوئی دوسرا حکم قیاس کرنا درست نہیں ہے جیسے تہجد کی نماز نبی اکرم ﷺ پر فرض تھی لیکن اس حکم کی تعدیت کرکے دوسرے لوگوں کے لئے یہ حکم یعنی فرضیت ثابت کرنا درست نہیں۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ اصل اور مقیس علیہ کا حکم خود بھی خلاف قیاس نہ ہو۔ اگر مقیس علیہ کے حکم میں عقل اور رائے کا کوئی دخل نہ ہو تو اس پر کسی اور صورت کو قیاس

کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مقیس علیہ کے حکم کی تعدیت جائز نہیں۔ جیسے نماز کی تعداد رکعات ، زکوۃ کے مقادیر ، حدود اور کفارات وغیرہ کہ یہ سب احکام تَعَبُّدِی ہیں ان پر قیاس جائز نہیں۔

[۳] اصل اور مقیس علیہ زمانے کے اعتبار سے مقیس پر مقدم ہو۔ جیسے نماز کے لئے وضو کرنے کا پہلے اور تیمّم کا حکم بعد میں نازل ہوا ہے جبکہ تیمّم کے لئے نیت بالاتفاق ضروری ہے۔اب اس تیمّم سے وجوب نیت کے حکم کی تعدیت کرکے وضو میں نیت فرض کرنا اور نیت ثابت کرنا ، یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ مقیس علیہ (تیمّم) زمانے کے اعتبار سے مقیس (وضو) پر مقدم ہے۔

فرع کے متعلق چند شرائط:

[۱] مقیس کے متعلق کسی قسم کا نص اور اجماع پہلے سے موجود نہ ہو۔ مطلب یہ کہ جس حکم کے اثبات کی کوشش کی جارہی ہے اس حکم کے بارے میں کوئی نص یا اجماع پہلے سے موجود نہ ہو۔ اگر فرع کے متعلق نص موجود ہے تو پھر قیاس کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

[۲] مقیس علیہ میں موجود علت جس درجے کی ہو، مقیس میں بھی اس درجے کی علت ہونی چاہئے یا اس سے زیادہ مگر کم نہیں ہونی چاہیئے ۔ جیسے قتل النفس کی وجہ سے قصاص کا واجب ہونا ، اس پر قیاس کرکے قطع عضو کی صورت میں بھی قصاص کو واجب کیا جائیگا۔ کیونکہ جو علت قتل النفس کی صورت میں موجود ہے ، وہی علت قطع عضو کی صورت میں بھی موجود ہے اور وہ علت تعدی کرنا ہے۔

علت کے متعلق چند شرائط:

[۱] علت ایک ایسا وصف ہونا چاہئے جو حکم کے مناسب ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ذریعے کسی شرعی مصلحت کی تکمیل ممکن ہو یا کسی مضرت سے تحفظ ممکن ہو۔ جیسے قرآن کریم نے خمر (شراب) کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی علت نشہ (سکر) ہے۔ لیکن نشہ ایک ایسا وصف ہے جو حرمت کے حکم کے ساتھ مناسب ہے، ورنہ تو شراب میں نشہ کے علاوہ دوسرے اوصاف بھی موجود ہیں مثلاً سیال ہونا یا کڑوا ہونا، لیکن سیال یا کڑوا ہونا یہ ایسے اوصاف ہیں جو حکم (حرمت) کے ساتھ مناسب نہیں ہیں یعنی ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ شراب سیال ہونے یا کڑوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ وہ علت ظاہر اور محسوس ہو، مخفی اور غیر محسوس نہ ہو۔ جیسے معاملات کیلئے ایجاب وقبول علت ہے اور یہ ایک محسوس اور ظاہر وصف ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ فریقین کی قلبی رضامندی معاملات کے انعقاد کے لئے علت و وصف بنانا، یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ رضامندی ایک مخفی اور غیر محسوس وصف ہے۔

[۳] علاوہ ازیں وہ وصف منضبط اور متعین ہو۔ افراد، اشخاص اور احوال کے لحاظ سے بدلنے والا نہ ہو۔ مثلاً نماز میں قصر کی علت سفر ہے کیونکہ سفر ایک متعین اور منضبط وصف ہے۔ جبکہ مشقت کو قصر کے لئے علت ووصف نہیں ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ مشقت ایک متعین اور محدود معنی نہیں رکھتا بلکہ مختلف احوال اور مختلف افراد کے اعتبار سے اس میں فرق واقع ہوتا ہے۔

[۴] جس حکم کا اصل سے فرع کی طرف تعدیت ہو تو اس حکم کی علت غیر معقول نہ ہو۔ اگر اس حکم کی علت عقل میں آنے والی نہ ہو تو پھر قیاس درست نہ ہوگا۔

قیاس کے اقسام: قیاس کے دو اقسام ہیں:

[۱] قیاس کا پہلا قسم وہ ہے جس میں جو حکم فرع کی طرف متعدی کر دیا گیا ہو وہ حکم اصل میں ثابت ہونے والے حکم کے ساتھ نوع میں متحد ہو۔ اتحاد فی النوع کا مطلب یہ ہے کہ فرع کے لئے جو حکم ثابت ہے وہ بعینہٖ اصل کا حکم ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دونوں کا محل جدا جدا ہو۔

مثال: مثال کے طور پر نابالغ لڑکے پر باپ کو نکاح کرانے کی ولایت حاصل ہے اور اس کی علت صغر ہے اور یہی علت نابالغ لڑکی میں بھی موجود ہے۔ بناء بر ایں نابالغ لڑکی پر بھی باپ کو ولایت حاصل ہونا چاہئے۔ اس صورت میں جو حکم (ولایت نکاح) فرع (نابالغ لڑکی) کے لئے ثابت کی گئی ہے، وہی حکم اصل (نابالغ لڑکے) کے لئے بھی ثابت ہے۔ لیکن دونوں کا محل جداجدا ہے۔ اصل کا محل صغیر اور فرع کا محل صغیرہ ہے۔

حکم: قیاس کی یہ صورت اتنی قوی ہے کہ اصل اور فرع کے درمیان فرق بیان کرنے سے بھی باطل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اصل اور فرع جب علت میں متحد ہے تو حکم میں بھی ضرور متحد ہونگے۔

[۲] قیاس کی دوسری قسم وہ ہے جس میں جو حکم فرع کی طرف متعدی کر دیا گیا ہو وہ حکم اصل میں ثابت ہونے والے حکم کے ساتھ جنس میں متحد ہو۔ جنس میں متحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اصل اور فرع تو ایک وصف میں متحد ہوں لیکن دوسرے وصف میں متحد نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔

مثال کے طور پر چھوٹے بچوں اور کنیزوں کا گھر میں یا کسی کے کمرے میں بار بار داخل ہونے کے لئے بار بار اجازت مانگنا۔ چونکہ اس میں حرج تھا اس لئے شریعت مطہرہ نے حرج کی وجہ سے مذکورہ حکم (بار بار اجازت مانگنا) ساقط کر دیا اور اس کی علت کثرت طواف بتائی گئی تو اس پر بلی اور سواکن البیوت کے جوٹے کی نجاست کا حکم بھی قیاس کیا گیا۔ یعنی یہ حکم بھی حرج کی وجہ سے ساقط ہو گیا کیونکہ کثرت طواف والی علت کا ہونا یہاں بھی پایا جارہا ہے۔ پس یہاں اگرچہ اصل اور فرع ایک وصف یعنی حرج میں متحد ہیں لیکن ایک دوسری وصف میں مختلف ہیں وہ یہ کہ اصل میں حرج کی وجہ سے اجازت کا حکم ساقط ہوا ہے اور فرع میں حرج کی وجہ سے نجاست کا حکم ساقط ہوا ہے۔

حکم: اس قیاس کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی اس قیاس کی علت کے عام نہ ہونے کو بیان کرے یا اصل اور فرع کے درمیان کوئی خاص قسم کا فرق ثابت کردے تو یہ قیاس باطل ہو جاتا ہے۔

اجتھاد

اجتہاد کے لفظی معنی "انتہائی کوشش کرنے" کے ہیں۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں اجتہاد کی تعریف یہ ہے کہ:

"کسی معاملے میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے خوب کوشش کرنا۔"

اجتہاد کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ صرف فقہ کے ماہرین ہی اجتہاد کر سکتے ہیں۔

اجتہاد کن امور میں نہیں ہو سکتا؟

۱: قرآن وسنت کے واضح احکام [نصوص] کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں کیا جاسکتا۔

۲: اجماع امت کے خلاف بھی اجتہاد معتبر نہیں ہے۔

اجتہاد میں اختلاف:

فقہی امور میں اجتہاد کے نتیجے میں اختلاف رائے سے ہر گز نہیں گھبرانا چاہیے۔ ایسا ہونا ایک قدرتی اور فطری امر ہے۔ ہر مجتہد اپنے زاویہ نگاہ اور اپنے اصول اجتہاد سے کام لے کر اجتہاد کرتا ہے۔ ہر ایک کی عقل، طبیعت اور مزاج مختلف ہے۔ اس کے نتیجے میں کسی ایک مسئلے میں کئی رائیں ہو سکتی ہیں اور اس سے اسلامی شریعت میں وسعت اور جامعیت پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے حالات کے مطابق کسی ایک رائے یا اجتہاد کو ترجیح دے کر اُس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

مجتہد کے لیے شرائط:

اجتہاد ایک اہم ذمہ داری ہے جس سے صرف ایک مجتہد ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ کسی مجتہد کے لیے درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے:

[۱] عربی زبان جاننا: چونکہ شریعت کے اصل ماخذ قرآن وسنت ہیں جو کہ عربی زبان میں ہیں اس لیے ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان سے واقف ہو۔ تاکہ اصل ماخذ کو براہ راست سمجھ کر اُس سے احکام اخذ کرے۔ لیکن یاد رہے کہ اجتہاد کے لیے عربی زبان کی محض شُد بُد کافی نہیں ہے بلکہ مجتہد کو اس زبان میں مہارت کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ اور یہ کہ وہ عربیت کا صحیح ذوق رکھتا ہو۔

[۲] قرآن مجید کا علم: مجتہد کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا عالم ہو۔ اُسے قرآن مجید پر بالعموم اور احکامی آیات پر بالخصوص عبور حاصل ہو۔ وہ قرآن کے ناسخ و منسوخ احکام کو سمجھتا ہو۔ شان نزول سے واقف ہو۔ وہ جملہ علوم قرآن سے آگاہ ہو۔ مکی اور مدنی سورتوں میں امتیاز سے باخبر ہو۔ سلف کی تفسیر سے واقف ہو۔ اصول تفسیر جانتا ہو۔

[۳] حدیث وسنت کا علم: مجتہد کے لئے تیسری ضروری شرط یہ ہے کہ وہ احادیث کا علم رکھتا ہو۔ جملہ علوم الحدیث سے واقف ہو۔ احکامی احادیث پر اُس کی گہری نظر ہو۔ حدیث کے ناسخ و منسوخ سے باخبر ہو۔ علل سے آگاہ ہو۔ صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان رکھتا ہو۔ فن رجال سے آشنا ہو۔ جرح وتعدیل کی واقفیت رکھتا ہو۔

[۴] اجماع سے واقفیت: مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام مسائل سے واقف ہو جن پر اجماع امت ہے۔ کیونکہ اگر وہ اجماع [یا مجمع علیہ] مسائل میں بھی اجتہاد کرے گا تو غلطی کا مرتکب ہوگا۔ نیز اُسے فقہاء کی آراء اور ان کے اختلاف سے بھی بخوبی آگاہ ہونا چاہیے۔

[۵]اصول فقہ میں مہارت: مجتہد کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ وہ فقہ اور اصول فقہ کا ماہر ہو۔ وہ فقہاء کی آراء اور اجتہادی مسائل میں ان کے اختلاف سے واقف ہو۔ اسے احکام سے مسائل اخذ کرنے کا ملکہ حاصل ہو اور وہ شریعت کے مقاصد سے آشنا ہو۔

یہ اجتہاد کے لئے پانچ بنیادی شرائط ہیں جنہیں پورا کیے بغیر کوئی شخص اجتہاد کرنے کا اہل نہیں ہے۔

اس کے علاوہ مجتہد کے لیے مسلمان ہونا اور متقی وپرہیزگار ہونا بھی شرط ہے۔ کوئی غیر مسلم یا فاسق وفاجر مسلمان شخص مجتہد نہیں ہو سکتا۔

مختلف فیہ دلائل

مختلف فیہ دلائل کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

استحسان

استحسان کے لفظی معنی "کسی چیز کو اچھا سمجھنے" کے ہیں۔ استحسان کو قیاس خفی بھی کہتے ہیں۔ اصول فقہ میں استحسان کی کئی اصطلاحی تعریفیں کی گئی ہیں:

۱۔ کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑنا استحسان کہلاتا ہے۔

۲۔ قیاس خفی کو قیاس جلی پر کسی دلیل کی وجہ سے ترجیح دینا استحسان کہلاتا ہے۔

۳۔ کسی کلی مسئلے یا عام قاعدے سے کسی جزئی مسئلے کا کسی مناسب دلیل کی وجہ سے استثناء کرنا، استحسان ہے۔

پھر استحسان کے چھ اقسام ہیں:

[۱]استحسان بالنص [۲]استحسان بالاجماع [۳]استحسان بالضرورۃ

[۴]استحسان بالعرف [۵]استحسان بالقیاس [۶] استحسان بالمصلحت

[۱] استحسان بالنص:

یہ ہے کہ نص کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جائے مثلاً قیاس کا تقاضہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کھائے اور پیئے تو اس کا روزہ ٹوٹ جانا چاہئے۔ کیونکہ نص میں مطلقاً کھانے پینے سے روزے کا ٹوٹ جانا ثابت ہے۔ قصداً اور سہواً کی کوئی تفصیل اس میں نہیں ہے۔ لیکن حدیث میں ہے کہ:

مَنْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔

یعنی جس نے بھول کر حالت روزہ میں کچھ کھایا یا پیا تو اس کو چاہئے کہ اپنا روزہ پورا کرے بے شک اللہ تعالی نے اس کو کھلایا اور پلایا۔ اس حدیث کی وجہ سے یہاں قیاس کو ترک

کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں قیاس کے مقابلے میں حدیث دلیل قوی ہے۔ اس طرح بیع سلم بھی اس کی مثال ہے۔

[۲] استحسان بالاجماع:

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیع استصناع یعنی آرڈر دیکر سامان تیار کرنے کی صورت میں اجیر کو سامان تیار کرنے سے پہلے اجرت دینا اور خریداری کا معاملہ طے کرنا ناجائز ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ شئ معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ تو قیاس اور عام شرعی قاعدے کے رو سے یہ بیع استصناع ناجائز ہونا چاہیے۔ لیکن باوجود اس کے بیع کی مذکورہ صورت اس عام قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ اور اس کی جواز پر فقہاء کا اجماع ہے۔ بنابراین یہاں قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

[۳] استحسان بالعرف:

استحسان بالعرف کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار عرف وعادت کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

مثلاً اجارہ کے اصول میں یہ بھی ہے کہ اس سے نفع حاصل کرنے کی مقدار معلوم ہونی چاہئے لہٰذا مذکورہ اصل کا تقاضہ یہ ہے کہ حمام کو کرایہ پر دینا جائز نہ ہو کیونکہ حمام میں پانی کا استعمال اور اسی طرح وقت گزارنے کی مقدار متعین نہیں۔ لیکن باوجود اس کے یہاں عرف کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ عرف میں حمام کو اسی طرح کرایہ پر دینا مروج ہے۔ کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ اگر اس معاملے سے لوگوں کو روک دیا جائے تو لوگ تنگی اور شفقت میں پڑ جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی جواز پر امت کا اجماع ہے۔

[۴] استحسان بالضرورۃ:

جب قیاس پر عمل کرنے کی صورت میں حرج اور تنگی پیدا ہونے کا امکان ہو تو وہاں قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور اس کو استحسان بالضرورۃ کہتے ہیں۔ مثلاً قیاس کا تقاضہ ہے کہ

ناپاک کنواں اس وقت تک پاک نہ کہلایا جائے جب تک اس سے ناپاک پانی نکالا جائے اور اس کی دیواروں کو نہ دھلایا جائے لیکن چونکہ اس میں تنگی اور حرج تھا، اس لئے نجس پانی نکالنے پر اس کی دیواروں پر بھی پاکی کا حکم لگایا جائے گا اور مستقلا دیواروں کو پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔اس طرح حالت مخمصہ میں مجبور شخص کا مردار چیز کھانا اور علاج کے لئے ستر کھولنا اور ستر دکھانا، یہ سب امور اس حکم میں داخل ہیں۔

[۵] استحسان بالمصلحت:

کسی مصلحت کے پیش نظر قیاس کو ترک کرنا استحسان بالمصلحت کہلاتا ہے۔مثلاً قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کسی کاریگر سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ امین ہے اور امین سے جب کوئی چیز بلا تعدی کے ضائع ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔لیکن مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر اس حکم پر عمل کیا جائے تو بددیانت قسم کے لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے اور لوگوں کے اموال تلف کرنے پر جری ہو جائیں گے۔لہٰذا مذکورہ مصلحت کے پیش نظر کاریگر کو ضائع شدہ مال کا ضامن ٹھہرایا جائے گا اور اس سے ضائع شدہ مال کا تاوان لیا جائے گا۔ہاں اگر کاریگر نے جان بوجھ کر نہیں بلکہ ایسی ارضی وسماوی آفت کی وجہ سے وہ شئی ہلاک ہو گئی ہو جس سے بچنا اور بچانا اُس کاریگر کے بس میں نہ تھا تو پھر اُس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا مثلاً آگ لگ گئی، سیلاب آیا وغیرہ۔

[۶] استحسان بالقیاس الخفی یا استحسان بالعقل:

واضح قیاس کو نسبتاً کم واضح لیکن قوی قیاس کی وجہ سے ترک کرنا استحسان بالقیاس الخفی کہلاتا ہے۔مثلاً شیر، بھیڑے وغیرہ درندہ (سباع البھائم) کا جوٹا ناپاک ہے۔لہٰذا اس پر قیاس کرتے ہوئے شکرا، باز وغیرہ (سباع الطیور) کا جھوٹا بھی ناپاک ہونا چاہئے کیونکہ یہ بھی درندہ ہے، اور خود نجس، ناپاک اور حرام ہے۔ لیکن قیاس خفی کا تقاضہ ہے کہ سباع الطیور کے لعاب سباع البھائم پر قیاس نہیں کیونکہ ان کا لعاب سباع البھائم کی طرح پانی تک نہیں پہنچتا

بلکہ سباع الطیور (شکاری پرندوں) کے جھوٹے کو آدمی کے جھوٹے پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ یہ پرندے چونچ سے پانی پیتے ہیں۔ چونکہ چونچ ہڈی کی ہوتی ہے اور ہڈی پاک ہوتی ہے اس لیے ان کا جھوٹا بھی پاک ہوتا ہے۔ بناء بر قیاس خفی اس بات کا متقاضی ہے کہ سباع الطیور کا جھوٹا پاک ہے اور مذکورہ قیاس قبول کیا گیا ہے۔

استصلاح یا مصالح مرسلہ

استصلاح کا لغوی معنی کسی چیز کو صلاح والا یعنی مصلحت پر مبنی سمجھنا اور مصلحت [جس کی جمع مصالح ہے] کے لفظی معنی فائدہ و منفعت کے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مصلحت کی وضاحت میں فرمایا:

"مصلحت سے فی الاصل حصولِ منفعت اور دفعِ مضرت مراد ہوا کرتی ہے مگر شریعت میں یہ مطلب نہیں کیونکہ حصول منفعت اور دفع مضرت مخلوق کے مقاصد ہیں اور مخلوق کی صلاح ان مقاصد سے وابستہ ہے۔ مصلحت سے ہماری مراد مقاصد شریعت کی حفاظت ہے۔ مخلوقات کے اعتبار سے مقاصد شریعت پانچ ہیں، تحفظ دین، تحفظ نفس، تحفظ عقل، تحفظ نسل اور تحفظ مال۔ جو امر امور پنجگانہ کے تحفظ کا ضامن ہو وہ مصلحت ہے اور جس بات سے یہ امور خمسہ ضائع ہو جائیں وہ مفسد ہے اور اس کو دور کرنا مصلحت ہے۔"

الغرض مصالح مرسلہ سے مراد وہ مصلحتیں جو شریعت کے عمومی مزاج کے ساتھ مطابقت رکھتی ہوں اور شریعت نے متعین طور پر ان کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا نص میں ذکر نہ کیا ہو۔ مثلاً سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کرنا اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم کے نسخوں کو تمام عالم اسلام میں پھیلانا، اسی طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ حاصل کرنے والوں کے لئے دیوان اور رجسٹر مقرر کرنا،

اسلامی سکہ بنانا، مزید براں جائیداد کے معاملات کا رجسٹری نظام، ٹریفک کے اصول و قواعد اور رفاعی ٹیکسوں کا نظام وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ انتظامی امور جو کسی مصلحت کے طور پر اپنائے گئے ہوں حالانکہ ان مصالح کا تذکرہ کسی نص میں نہیں ہے۔

شرائط:

لیکن ان مصلحتوں پر عمل کرنے کے چند شرائط ہیں جو درج ذیل ہیں:

[۱] وہ ایک معقول مصلحت ہو جس کو طبیعت سلیمہ قبول کرے۔

[۲] وہ مصلحت عملاً موجود ہو اور محض ایک وہمی چیز نہ ہو۔

[۳] وہ مصلحت عام ہو، کسی خاص فرد کی مصلحت اس سے ملحوظ نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سب کے لئے ایک عام قانون ہو۔

[۴] شریعت میں نہ اس مصلحت کے معتبر ہونے کا صراحتاً ذکر ہو اور نہ اس کو غیر معتبر قرار دیا ہو۔

مصالح مرسلہ پر عمل کی شرائط:

[۱] جس مسئلہ کے بارے میں مصالح مرسلہ پر عمل کیا گیا اس کے بارے میں کوئی نص منقول نہ ہو۔

[۲] شریعت میں اس کی کوئی نظیر منقول نہ ہو جس پر اس کو قیاس کر لیا جائے۔

[۳] کسی نص و اجماع کے معارض نہ ہو۔

[۴] مصلحت شخصی نہ ہو بلکہ اجتماعی ہو خواہ پھر عالمی ہو یا ملکی و علاقائی ہو۔

[۵] شرعی دلائل سے اس کا مصلحت ہونا ثابت ہو اگرچہ کسی نص سے اثبات یا منفی کے ساتھ اس کی مصلحت کا ثبوت نہ ہو مگر شرعی اصول و قواعد سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ شریعت اس کو گوارہ کرتی ہے اور مصلحت کے درجہ میں رکھتی ہے۔

عرف

کسی قول یا فعل کے بارے میں عوام الناس کے طریقے کو عرف کہتے ہیں۔ یا وہ امر جس پر کسی علاقے کے عام لوگ عمل پیرا ہوں سوائے شاذ و نادر افراد کے۔ عرف و عادت کی حیثیت اصل میں مصالح مرسلہ جیسی ہے اور نظام زندگی میں اس کی بہت اہمیت اور ضرورت ہے۔ چونکہ شریعت مطہرہ نے مصالح کی رعایت کا خیال رکھا ہے اس لئے یہ ایک شرعی ضرورت ہے۔ عرف وعادت کو ہمیشہ قانون سازی کے ایک ماخذ کی حیثیت دی گئی ہے۔

عرف کی حجیت:

☆ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارے کے بارے میں فرمایا:

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ "درمیانے قسم کا وہ کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔"

جبکہ درمیانہ کھانا عرف ہی سے معلوم ہوگا۔

☆ اسی طرح یتیم کے مال کے بارے میں فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ۔

"جو نادار ہو وہ معروف طریقہ پر [کسی خدمت کے عوض اور تنخواہ کے طور پر یتیم کا مال لیکر] کھا سکتا ہے۔"

یہاں بھی معروف سے عرف ہی مراد ہے۔

☆ ہند رضی اللہ عنہا بنت عتبہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بے حد بخیل شخص ہے مجھے میری اور میرے بچے کی ضرورت کے مطابق نہیں دیتا الّا یہ کہ میں اس کی لاعلمی میں از خود لے لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اور بچے کی کفالت کے لئے بقدر معروف لے لیا کرو۔"

تو یہاں بھی نبی کریم ﷺ نے عرف کے مطابق لینا جائز قرار دیا ہے۔

اقسام: ذات کے اعتبار سے عرف عام یعنی عوام الناس کا طریقہ دو قسم پر ہے۔

[۱] عرف قولی [۲] عرف فعلی

[۱] عرف قولی: لفظ کا وہ مفہوم جو ایک قوم میں رائج ہو یعنی عام لوگ اس کو اپنی بیان اور تعبیر میں استعمال کرتے ہو۔ جیسے مچھلی پر گوشت کا اطلاق کرنا یا نہ کرنا۔

[۲] عرف فعلی: وہ عمل جو کسی علاقے کے لوگ اس کے عادی ہوں یعنی عوام کے فعل اور عمل کے جو طریقے ہیں وہ عرف فعلی کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض علاقوں میں شادی کے موقع پر مہر کا ایک خاص مقدار معجّل ادا کرنا۔

پھر وصف اور وسعت کے اعتبار سے عرف دو قسم پر ہے: [۱] عرف عام [۲] عرف خاص

[۱] عرف عام: مختلف علاقوں کے عوام الناس کے جو طریقے ہیں، عرف عام کہلاتا ہے۔ یعنی وہ عرف کسی خاص علاقے یا کسی خاص قوم کے ساتھ وابستہ نہ ہو بلکہ عام ہو۔ جیسے طلاق کے لئے لفظ حرام استعمال کرنا۔ اسی طرح بیع استصناع۔

[۲] عرف خاص: کسی خاص طبقے یا کسی خاص پیشے اور کسب والے یا کسی خاص قوم کے طریقے کو عرف خاص کہتے ہیں۔ جیسے اہل عراق کے عرف میں گھوڑے کو دابہ کہتے ہیں۔

فائدہ:

عرف عام میں تخصیص جائز ہے جب کہ عرف خاص میں ناجائز۔

پھر عرف عام کے معتبر ہونے اور معتبر نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

[۱] عرف صحیح [۲] عرف فاسد

[۱] عرف صحیح یا حسن: لوگوں کا وہ طریقہ جو نص یا اجماع کے خلاف نہ ہو اور نہ وہ طریقہ کسی فساد کو مستلزم ہو جیسے استصناع والے معاملات میں کچھ رقم پیشگی دینا یا بعض علاقوں میں شادی کے موقع پر عورت کی رخصتی شوہر کے گھر اس وقت ہوتی ہے جب عورت کو مہر کا کچھ حصہ وصول ہو گیا ہو۔

[۲] عرف فاسد: لوگوں کا وہ طریقہ جو نص یا اجماع کے خلاف ہو یا اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کرلے یا حرام کو حلال کرے یا اس طریقے سے کسی مصلحت کا ضیاع ہو یا وہ طریقہ کسی فساد کو مستلزم ہو جیسے آج کل کا مخلوط نظام تعلیم یا مخلوط نظام اسمبلی یا مرد وزن کا بغیر پردے ایک ساتھ کام کرنا یا موجودہ سودی بینکوں کا نظام وغیرہ۔

حکم: عرف صحیح معتبر ہے جبکہ عرف فاسد کا اعتبار نہیں۔اسی طرح عرف علاقے یا زمانے کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔

شرائط عرف: عرف کے معتبر ہونے کے چار شرائط ہیں۔

[۱] عرف صریح نص کے خلاف نہ ہو اور عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی نص معطل نہ ہوئی ہو جیسے شراب خوری، عورتوں کا اکیلا بغیر محرم کے سفر کرنا وغیرہ کہ مذکورہ عادات اور عرف صریح نصوص کے خلاف ہیں۔

[۲] عرف صراحت کے بھی خلاف نہ ہو جیسے عرف میں بعض اشیاء کو مطلوبہ مقام تک پہنچانے کی صورت میں اس پر جو خرچہ آتا ہے وہ خرچہ بائع کے ذمہ ہوتا ہے۔اب اگر معاملہ طے کرتے وقت بائع مذکورہ عرف کے خلاف صراحت کرلے تو یہ معتبر نہ ہوگا۔

[۳] معاملہ کے وقت عرف کا موجود ہونا ضروری ہے جیسے بعض چیزوں کو قسطوں کے ساتھ فروخت کرنے کا عرف ہے لیکن جب متعاقدین معاملہ کر رہے تھے اس وقت یہ عرف مروج نہ تھا تو اب اس معاملے میں قسطوں کے ساتھ ادائیگی کا عرف معتبر نہ ہوگا۔کیونکہ معاملہ کے وقت مذکورہ عرف کا وجود ہی نہیں ہے۔

[۴] یہ عرف جاری وساری ہو یعنی مذکورہ عرف ہمیشگی کے ساتھ رہتا ہو۔

سد ذرائع

سد، دیوار اور بند کو کہتے ہیں اور ذرائع ذریعہ کی جمع ہے یعنی دروازے کو بند کرنا۔ وہ جائز افعال جو ناجائز امور کے لئے ذریعہ اور سبب بنتے ہیں ان جائز امور کو منع کرنا سد ذرائع کہلاتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

قرآن کریم میں یہ بات ہر گز موجود نہیں کہ سینما اور ٹی وی بنانا جائز نہیں لیکن یہ وہ ذرائع ہیں جو زنا کے دروازے کھولنے میں معاون ہیں۔ اس لئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ زنا کے نزدیک بھی مت جاؤ۔ اب زنا کے قریب ہونے اور نزدیک ہونے سے مراد مذکورہ ذرائع سے منع کرنا ہے۔

سد الذرائع کی حجیت:

قرآن پاک میں ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا...الخ [بقرہ:]

"اے ایمان والو! "راعنا" نہ کہو بلکہ "انظرنا" کہو اور اس حکم کو سنو"

اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "راعنا" کو یہودیوں نے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کا ذریعہ بنالیا تھا تو مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا حالانکہ اس میں بظاہر کوئی خرابی نہیں تھی۔ یہ منع دراصل سد ذرائع کے قبیل میں سے ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ۔

"آپ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے والدین کو

گالی بھی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کوئی شخص کسی دوسرے کے باپ کو برا کہے اور وہ جواب میں اس کے باپ کو بُرا کہے اور کوئی کسی کی ماں کو برا کہے اور وہ جواب میں اس کی ماں کو برا کہے۔"

یہاں بھی دوسروں کے والدین کو گالی سے منع کرنا دراصل سد ذرائع میں سے ہے۔

درجات:

سد ذرائع کے چار درجات ہیں:

اول درجہ: ہر وہ کام جو یقینی طور پر فساد کا ذریعہ بنے جیسے کسی کے گھر کے دروازے کے سامنے کنواں کھودنا جو یقینی طور پر قتل وغیرہ کو مستلزم ہے اور قتل کا ذریعہ بنتا ہے۔ مگر قرآن و سنت میں اس بات سے کہیں بھی منع وارد نہیں لیکن شریعت میں اس جیسا ذریعہ اختیار کرنا منع ہے۔

دوسرا درجہ: وہ کام جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ یہ فساد کا ذریعہ بنتا ہے جیسے شراب بنانے والے پر انگور کا رس فروخت کرنا یا ایک شخص زہر لے جارہا ہے اور اس کے بارے میں ظن غالب یہ ہے کہ وہ کسی کے قتل کے درپے ہے یا مثلاً ٹی وی خریدنا اور فحش سی ڈی خریدنا، حربی کافر پر اسلحہ فروخت کرنا وغیرہ یہ سب امور بھی ناجائز ہیں۔

تیسرا درجہ: وہ کام جو اکثر و غالبا فساد کا ذریعہ بنے جبکہ اصل میں وہ کام فی نفسہ جائز ہو جیسے نکاح حلالہ یا مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دینا۔ اب نفس طلاق دینا جائز تو ہے لیکن موت کے وقت یہ طلاق دینا اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ بیوی، شوہر کے مرنے کے بعد میراث سے محروم رہے۔ تو اس صورت کا تعلق نیت اور ارادہ پر موقوف ہے۔ اگر شوہر کا اس سے حرام فعل کے لیے کوئی حیلہ اختیار کرنا ہو تو ناجائز ہے ورنہ پھر جائز ہے۔

چوتھا درجہ: اُس کام کے کرنے سے فساد کا اندیشہ ہو اور کبھی کبھی اس سے فساد پیدا ہو جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی مناسب مقام پر کنواں کھودلے۔ اب اس کنویں میں کسی کا گرنا اور

ہلاک ہونا ایک غیر یقینی اور موہومی امر ہے۔ لہٰذا اس ذریعہ کا حکم یہ ہے کہ اس کو اختیار کرنا جائز ہے۔

اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

حجیت اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

"جن لوگوں نے مہاجرین وانصار میں سے سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے نیکو کاروں کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح فرمائی اور اس مدح اور اعلان رضا میں ان کی اتباع کرنے والوں کو بھی شامل فرمایا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

"تمہارے اوپر میری سنت کی اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی پیروی لازم ہے اور اس سنت کو مضبوطی سے تھام لو۔"

کتاب وسنت واجماع میں کوئی مسئلہ نہ ملنے کی صورت میں کیا مجتہد صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتاویٰ اور فیصلوں کو ماخذ فقہ میں سے ایک ماخذ تسلیم کرکے ان پر عمل کیا جا سکتا ہے یا

نہیں؟اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ بھی واضح رہنا چاہئیے کہ قول صحابی کی حجت کا یہ اختلاف مطلق نہیں ہے بلکہ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

[۱] جن مسائل میں شرعی حکم رائے اور اجتہاد سے معلوم نہ ہو سکے ان میں قول صحابی رضی اللہ عنہ حجت ہے کیونکہ یہ بات اس پر محمول اور متصور ہو گی کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ حکم یقینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو گا اس لئے صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنت کے قبیل سے ہو گا جو کہ تشریع کا ماخذ ہے۔ احناف اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اس طرح ان کے نزدیک بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول سے یہ بات ثابت ہے کہ مہر کم از کم مقدار دس درہم ہے۔

[۲] جس قول صحابی رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو چکا ہو اس کو شرعی حجت سمجھا جائے گا کیونکہ یہ اجماع ہے۔ اسی طرح جس قول صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ اس کی کسی نے مخالفت کی ہے تو وہ اجماع سکوتی کے قبیل سے ہے۔ یہ ان لوگوں کے نزدیک حجت ہے جو اجماع سکوتی کے قائل ہیں۔

[۳] ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ پر ایسی حجت نہیں جس کا ان کو پابند ہونا ضروری ہے۔

[۴] جو قول صحابی رضی اللہ عنہ، رائے واجتہاد پر مبنی ہو اس میں اختلاف ہے کہ بعد میں آنے والے لوگوں پر یہ حجت ہے یا نہیں۔

شرعی لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کی تقسیم پانچ صورتوں کو ہوتی ہیں۔

[۱] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ اقوال جس میں رائے اور قیاس کی کوئی دخل نہ ہو یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ اقوال جو نقل پر موقوف ہیں۔ تو یہ اقوال حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجے میں ہیں۔ جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ اِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ

ان جیسے اقوال کے بارے میں ظن غالب یہ ہے کہ ان کی بنا احادیث نبوی پر ہے۔

[۲] وہ اقوال وافعال جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا ہے۔ تو ان کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ موقف یہ ہے کہ شریعت کی رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے اور مذکورہ اجماع کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا یا عمل کرنا باعث تکفیر و تضلیل ہے۔

[۳] کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا وہ اجتہادی قول و فعل جو نص کے موافق ہو تو وہ بھی شرعی حجت اور قابل اتباع ہے۔

[۴] کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا وہ اجتہادی قول و فعل جس کے مقابلے میں دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کا کوئی اجتہادی فعل یا قول موجود ہو تو اس صورت میں دیکھیں گے کہ کس صحابی رضی اللہ عنہ کا قول یا فعل نصوص کے زیادہ موافق اور قریب ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگرچہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی قول و فعل سے دونوں پر عمل کرنے کا جواز پیدا ہوتا ہے۔

[۵] کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا اجتہادی قول و فعل جو محض اس وجہ سے نص کے ساتھ متصادم ہو کہ ان کو نص نہیں پہنچی ہو اور ان کو نص کا علم نہ ہو یا نص پہنچی ہو لیکن وہ نص منسوخ ہو لیکن اُس کا ناسخ نص اُس صحابی رضی اللہ عنہ کو نہ پہنچی ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایسے اجتہادات اور اقوال و افعال قابل اتباع نہیں۔ البتہ ان اقوال وافعال کی طرف بدعت یا گناہ کی نسبت نہیں کی جا سکتی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجتہاد کے اس باب میں معذور و ماجور تصور کیا جائے گا۔

شرائع من قبلنا

ہماری شریعت سے پہلے جتنی شریعتیں گزری ہیں تو وہ ہمارے لئے حجت یا نہیں۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں:

[۱] ایک قسم وہ احکام ہیں جن کا ذکر ہماری شریعت میں تو نہیں ہے البتہ موجودہ تورات اور انجیل وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن وہ ہمارے لئے حجت اور شریعت نہیں کیونکہ وہ قابل اعتماد نہیں اس لئے کہ موجودہ تورات وانجیل اکثر محرف ہیں۔

[۲] جبکہ دوسری قسم وہ احکام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم یا سنت نبوی ہیں مذکور ہیں۔ پھر یہ تین قسم پر ہیں:

(۱) وہ احکام جن کا ہماری شریعت میں ذکر ہو اور ہماری شریعت نے ان کے بارے میں بتایا کہ وہ ہم پر اسی طرح فرض ہیں جیسے پہلے لوگوں پر فرض تھے، اس کی مثال روزہ کی فرضیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ [بقرہ:]

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح یہ ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

حکم: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے چونکہ ہمیں بھی حکم ملا ہے اس لئے ہم بھی اس پر عمل کریں گے۔ لیکن ہمارا یہ عمل اپنی شریعت میں وارد حکم کی بناء پر ہے نہ کہ کسی سابقہ شریعت کے حکم کی بناء پر۔

(۲) وہ احکام جن کا ہماری شریعت میں ذکر ہو اور ان کے بارے میں ہماری شریعت نے یہ بھی بتایا ہو کہ وہ ہمارے حق میں منسوخ ہیں مثلاً سجدہ تعظیمی کرنا، مالِ غنیمت کو حرام سمجھنا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي۔

"اموال غنیمت کو میرے لئے حلال کر دیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے امتوں میں سے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس شریعت میں سجدہ تعظیمی کرنا بھی حرام ہے"

حکم: فقہاء کا اس قسم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ ان پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

[۳] وہ احکام جن کا ذکر ہماری شریعت میں ہو اور ہماری شریعت میں ان کی شرعی حیثیت رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ملتی مثلاً آیت قصاص میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ۔ [مائدہ:]

"اور ہم نے ان پر [تورات میں] یہ فرض کیا تھا کہ جان کا جان سے، آنکھ کا آنکھ سے، ناک کا ناک سے، دانت کا دانت سے اور زخموں کا [اس جیسا زخم کرکے] قصاص لیا جائے گا۔"

حکم: احکام کی اس قسم میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا یہ احکام ہمارے لئے حجت ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں تین اقوال ملتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

قول اول: یہ احکام ہمارے لئے حجت ہیں اور ہماری شریعت کا جز ہونے کی حیثیت سے ان کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ ہم تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ رسول پہنچے ہیں نہ کہ یہود و نصاریٰ کی محرفہ کتب کے واسطہ سے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شریعت میں ان کا خلاف یا رد ظاہر نہ ہوا ہو تو ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ جمہور احناف، مالکیہ، بعض شوافع اور امام احمد [فی روایۃ] اور اکثر حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک قول راجح یہی ہے۔

قول ثانی: یہ ہمارے لئے شرعی حجت نہیں۔ اشاعرہ، معتزلہ، شیعہ، بعض شافعیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ [فی روایۃ اخریٰ] کا یہی موقف ہے اور امام غزالی، آمدی اور ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

قول ثالث: اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔ یہ ابن برہان اور ابن قشیری رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک ہے کہ کسی صحیح دلیل کے ظاہر ہو جانے تک توقف کیا جائے گا۔

قول راجح: احناف کے نزدیک یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ شرائع سابقہ تشریعی ادلہ کی کوئی مستقل دلیل نہیں ہے بلکہ اس کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا اور اس کے بغیر اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول سے ان احکام کا بلا انکار بیان ہوا ہو اور ہماری شرع میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو ان کے نسخ پر دلالت کرے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

استصحاب

لغوی معنی مصاحبت (ساتھ) طلب کرنے اور ساتھ رکھنے کے ہیں۔

جبکہ اصطلاح میں : کسی دلیل اور وجہ تغیر کے پیش نہ آنے کی وجہ سے حکم سابق کو اپنی جگہ برقرار رکھنا استصحاب کہلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی معاملہ میں موجودہ حکم کو برقرار رکھا جائے گا جب تک کہ تغیر اور تبدل کی کوئی وجہ اور دلیل سامنے نہ آئے مثلاً ایک باوضو شخص کو شک پیدا ہو جائے کہ آیا اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے یا نہیں اور ٹوٹنے کا کوئی معقول وجہ اس کو یاد نہیں صرف شک ہے۔ تو اب ہم اس پر باوضو ہونے کا حکم لگائیں گے کیونکہ اس کا باوضو ہونا ایک یقینی امر تھا جبکہ وضو کا ٹوٹنا ایک موہوم امر ہے اور شک کے درجہ میں ہے۔ اس کو عمل بالاستصحاب کہتے ہیں۔

فائدہ :

[۱] استصحاب اس وقت معتبر ہوگا جب کسی مسئلے کے بارے میں انتہائی تلاش کے باوجود کتاب اللہ، سنت نبوی، اجماع اور قیاس میں کوئی دلیل اور صراحت نہ ملے۔

[۲] استصحاب حقوق کے لئے دافع تو ہو سکتا ہے البتہ حقوق کے لئے مثبت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کسی مفقود الخبر شخص کی موت کے متحقق نہ ہونے کے دلیل تک اس کو زندہ تصور کیا جائے گا اور اس کے مال میں ورثاء کا حق ثابت نہ ہوگا البتہ کسی مفقود الخبر کے مورث کے موت پر مفقود بھی مورث کے ترکہ میں حقدار نہ ہوگا۔

بحث دوم:

احکام شرعیہ

احکام جمع ہے حکم کی، حکم کو شریعت کی رو سے تکلیف بھی کہتے ہیں۔

حکم شرعی:

مکلفین کے اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ اور شریعت کا وہ خطاب جو کسی کام کے کرنے کے مطالبے یا اختیار یا وضع پر مشتمل ہو۔

وضاحت:

حکم یا تکلیف اس کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکلفین کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کہے خواہ وہ حکم لازمی ہو یا غیر لازمی یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا جائے یا کسی چیز کی بابت کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کے حق میں کسی اعتبار سے ذریعہ یا باعث ہونے کو بیان کیا جائے۔

حکم شرعی کے اقسام:

حکم شرعی کی اس تعریف کی رو سے حکم کے دو اقسام ہیں:

[۱] حکم تکلیفی [۲] حکم وضعی

حکم تکلیفی: جس کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ یا اختیار ہو۔

وضاحت: تکلیفی کا لفظ تکلیف سے لیا گیا ہے جس کا معنی کسی شخص کو کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ذمہ دار قرار دینے کے ہیں۔

اس اعتبار سے حکم تکلیفی کا مطلب ایسا حکم ہے جو مکلّف افراد کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پابند کرے یا انہیں کسی طرح کا اختیار دے دیں۔

مثلاً جیسے قرآن پاک میں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج بیت اللہ ادا کرنے وغیرہ کے احکام دیئے گئے ہیں۔

حکم وضعی: جو کسی حکم کے ثبوت وعدم ثبوت کا باعث ہو۔

وضاحت: وضعی کا لفظ وضع سے لیا گیا ہے۔ جس کے لغوی معنی رکھنے، وضع کرنے اور دو اشیاء کو جوڑنے اور ملانے کے ہیں۔

اس لحاظ سے حکم وضعی کا مطلب شریعت کی جانب سے دو امور کو اس طرح باہم جوڑنا اور ملانا ہے جس میں ایک شے کے ثابت ہونے سے دوسری شے خود بخود ثابت ہو جائے جیسے رمضان المبارک کا چاند نظر آنے سے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت یا کسی کے مرنے سے اس کی وراثت کے وارث کی ملکیت میں منتقل ہونے کا ثبوت وغیرہ۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ کہ ان میں ایک حکم سبب اور دوسرا مسبّب ہو جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ۔

یہاں چاند کی رویت کو روزے رکھنے کے لیے سبب قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ کہ ان میں سے ایک شے شرط اور دوسری مشروط ہو جیسے شریعت نے وضو کو نماز کے لئے شرط قرار دیا ہے یا جیسے مورث کا مرنا، اس کی وراثت کا وارثوں کی طرف منتقل ہونے کے لیے شرط ہے۔

حکم تکلیفی کی قسمیں:

اس تقسیم کے اعتبار سے احکام تکلیفیہ کی نو اقسام ہیں:

[۱]فرض [۲]واجب [۳]سنت [۴]مستحب [۵]حرام

[۶]مکروہ تحریمی [۷]مکروہ تنزیہی [۸]خلاف اولیٰ [۹]مباح

[۱] فرض:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ شریعت نے کسی دلیل قطعی کے ذریعے کیا ہو یا وہ حکم جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ جس کا انکار کفر اور بلاعذر چھوڑنا فسق ہے۔

پھر فرض کی دو قسمیں ہیں: (الف) فرض عین (ب) فرض کفایہ

(الف) فرض عین: جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ ہر ایک سے انفرادی انفرادی طور پر ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

(ب) فرض کفایہ: جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ پوری جماعت و بستی سے اس طور پر ہو کہ ان میں سے صرف بعض افراد کے کر لینے سے سب کا ذمہ بری ہو جاتا ہے ورنہ سب گنہگار ہونگے جیسے نماز جنازہ وغیرہ۔

[۲] واجب:

جس حکم کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کسی اعتبار سے شبہ پایا جاتا ہو یعنی دلیل ظنی سے ثابت ہو یا اس کی دلالت اپنے موضوع پر قطعی نہ ہو۔ لیکن گمان غالب والے ثبوت کی حیثیت سے واجب عملاً فرض کی طرح لازم ہے۔ جیسے: نماز وتر، قربانی وغیرہ۔ بغیر کسی تاویل کے اسکا انکار گمراہی اور بغیر عذر کے اس کا ترک فسق ہے۔

وضاحت: قربانی واجب ہے اور اس کا ثبوت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے ہے اگرچہ اس کا ثبوت قطعی ہے اسلئے کہ قرآنی آیت اس پر دال ہے لیکن مفہوم ظنی ہے متفق علیہ نہیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا مفہوم بھی مراد لیا گیا ہے۔

اسی طرح وتر واجب ہے۔ اس کا ثبوت متواتر روایات سے ہے جن کے ثبوت میں عدم تواتر کی بنا پر شبہ ہے ہاں مفہوم شبہ سے خالی ہے اور ساتھ ہی لزوم کا قرینہ موجود ہے اولاً نبی کریم ﷺ کی قولاً تاکید دوم عملاً پابندی۔

الغرض قطعی الثبوت + ظنی الدلالت یا ظنی الثبوت + قطعی الدلالت سے جو حکم ثابت ہو وہ واجب ٹھہرتا ہے۔

فائدہ: کتاب وسنت سے ثابت ہر دلیل میں دو پہلو ہوتے ہیں۔ اول ان کا ثبوت، دوم ان کا مفہوم جس کو دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی پھر دو دو اقسام ہیں قطعی اور ظنی۔

قطعی وہ جس کی صحت میں کوئی شبہ نہ ہو اور ظنی وہ جس کی صحت میں شبہ ہو۔

ثبوت قطعی جو شبہ سے خالی ہو، ظنی ثبوت جس میں شبہ ہو۔ قطعی دلالت وہ مفہوم ہے جو شبہ سے خالی ہو یعنی اتفاقی ہو۔ اور ظنی دلالت وہ مفہوم جس میں شبہ ہو یعنی جس کا مفہوم اختلافی ہو جس میں کسی دوسرے معنیٰ کا بھی احتمال ممکن ہو۔ اسی بناء پر کتاب وسنت کے تمام دلائل کی چار اقسام ہیں:

[۱] قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ [۲] قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ

[۳] ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ [۴] ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ

[۱] قطعی الثبوت قطعی الدلالت: جس کا ثبوت اور مفہوم و دلالت دونوں شبہ سے خالی ہوں جیسے آیات قرآنیہ واحادیث متواترہ صریحہ جو تاویل کا احتمال نہ رکھتی ہوں۔ یعنی جن کے مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہو اور ان کا مفہوم صرف ایک اور واضح و متعین ہو۔ وہ قطعی الثبوت والدلالت ہے۔

[۲] قطعی الثبوت ظنی الدلالت: جس کا ثبوت قطعی یعنی شبہ سے خالی ہو لیکن مفہوم میں اختلاف کی وجہ سے شبہ ہو جیسے آیات واحادیث مؤولہ یعنی جن آیات واحادیث کے مفہوم کے بارے میں اختلاف ہو۔

[۳] ظنی الثبوت ظنی الدلالت: جس کے ثبوت اور مفہوم دونوں میں شبہ ہو جیسے اخبار احاد صریحہ جن کا مفہوم اتفاقی نہیں۔

[۴] ظنی الثبوت قطعی الدلالت: جس کے ثبوت میں شبہ ہو اور مفہوم شبہ سے خالی ہو جیسے وہ اخبار احاد جن کا مفہوم اتفاقی اور متعین ہے۔

فائدہ:

قسم اول مفید یقین، قسم دوم مفید ظن، قسم سوم مفید وجوب و مفید کراہت تحریمی جبکہ قسم چہارم مفید سنتیت واستحباب ہے۔

فقہاء کے نزدیک فرض کا اطلاق مکمل فعل پر بھی ہوتا ہے اور فعل کے ان ضروری اجزاء پر بھی جن کے وجود پر فعل کا شرعی وجود موقوف ہوتا ہے خواہ وہ اصل سے پہلے کئے جائیں یا اسکے اندر۔ اگر اصل فعل سے پہلے ان کا کرنا ضروری ہو تو "رکن" کہتے ہیں۔ مثلاً: پوری نماز کو بھی فرض کہتے ہیں اور اس کے شرعی وجود واعتبار کیلئے کئے جانے والے اعمال جو اس سے پہلے کئے جاتے ہیں جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ جن کو شرائط کہتے ہیں اور جو اس کے اندر کئے جاتے ہیں جیسے رکوع، سجدہ وغیرہ جن کو ارکان کہتے ہیں، ان سب کو فرض کہا جاتا ہے۔

[شامی: ۱/۲۳۴، ۶۴]

وجوب، مذکورہ چار قسم کے دلائل میں سے قسم دوم، سوم وچہارم سے ثابت ہوتا ہے جبکہ ساتھ میں لزوم و وجوب پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو جو قولی بھی ہو سکتا ہے اور فعلی بھی۔ قولی قرینہ وہ کہ نبی ﷺ نے تاکیدی الفاظ سے اُس کے کرنے کا حکم فرمایا ہو اور فعلی یہ کہ نبی کریم ﷺ نے کسی فعل کو پوری پابندی کے ساتھ کیا ہو اور کبھی اسے ترک نہ فرمایا ہو۔ [اصول شاشی]

فرضیت و وجوب کے ثبوت کے ذرائع:

وجوب و فرضیت کا ثبوت محض فعل امر اصطلاحی پر موقوف نہیں بلکہ اس کے اصولی ذرائع تین ہیں:

[۱] وہ الفاظ جن کا لغوی مفہوم ہی لزوم کا ہے جیسے فَرَضَ،وَجَبَ،اَوْجَبَ،کَتَبَ عَلَیْہِ،قضٰی۔

[۲] وہ الفاظ جو صرفی اور نحوی اعتبار سے لزوم کا مفہوم رکھتے ہیں یعنی فعل امر،اسم فعل بمعنی امر، مصدر قائم مقام فعل امر جیسے فَضَرْبَ الرِّقَاب کہ اس میں ضرب مصدر اِضْرِبُوْا فعل امر کے قائم مقام ہے۔

[۳] فعل امر کے علاوہ جو بھی الفاظ ہوں۔بشرطیکہ فرضیت و وجوب کا تقاضا کرنے والے قرائن موجود ہوں جیسے : "وَالْوَالِدَاتِ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ"

اس میں یُرْضِعْنَ مضارع،امر کے معنٰی میں ہے۔

سنت :

جس کے کرنے کا مطالبہ لازمی طور پر نہ ہو بلکہ جس میں کرنے کی تاکید ہو،لزوم کے بغیر اس کا کرنے والا مستحق تعریف و ثواب ہے جبکہ نہ کرنے والا مستحق ملامت و عتاب ہے اور اگر اصرار کے ساتھ بغیر عذر اسے ترک کرے تو مستحق عتاب ٹھہرتا ہے، اور اگر کوئی سنت شعائر کی حیثیت رکھتا ہو تو ساری جماعت کے ترک کر دینے پر ان سے قتال واجب ہے جیسے اذان کہ شعائر اسلام میں سے ہے سو اسلامی حکومت کو اس کے تارکین کے ساتھ قتال واجب ہے۔

فائدہ:

سنت کا ثبوت قطعیت و ظنیت کے اعتبار سے دلائل کی چاروں اقسام میں سے ہو سکتا ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ قطعیت کے ساتھ سنت کا ثبوت اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو فرضیت و وجوب کی بجائے سنت کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہو۔اسی لئے ظنی دلائل سے اس کا ثبوت اُس وقت ہوتا ہے جبکہ وجوب کے قرائن نہ پائے جائیں اور ساتھ ہی یہ کہ سنت کے قرائن موجود ہوں۔جس کی تفصیل آگے ثبوت سنت کے ذرائع کے تحت آرہی ہے۔

سنت کا ثبوت دلیل کی قسم اول سے ہے جیسے خفین پر مسح کہ اسکا ثبوت جن روایات سے ہے، وہ قطعی الثبوت بھی ہے اس لئے کہ یہ متواتر روایات ہیں اور قطعی الدلالۃ بھی۔ جبکہ مسواک کی سنتیت کا ثبوت ایسی روایات سے ہے جو قطعی الثبوت تو نہیں لیکن قطعی الدلالۃ ضرور ہیں۔ باقی دو دلائل سے سنت کا ثبوت واضح و معروف ہے۔

سنت کی ثبوت کے ذرائع:

ثبوت سنت کے ذرائع دو ہیں: قولی اور فعلی

☆ قولی یہ ہے کہ اس کے کرنے کا مطالبہ کسی ایسے قرینہ کے ساتھ ہو جو وجوب کے مراد نہ لینے پر دلالت کرتا ہو یا ایسی تاکید کے ساتھ بیان کی گئی ہو جو وجوب کی تاکید سے کمتر ہو۔

☆ فعلی یہ ہے کہ کبھی کبھار بغیر عذر اس کو چھوڑنے کیساتھ ساتھ اکثر و بیشتر پابندی سے اس کے کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہو، یا پابندی سے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو مگر کسی عذر کی وجہ سے پابندی نہ کی گئی ہو اور اگر خود کبھی ترک نہ بھی کیا ہو تو نہ کرنے پر اس کا انکار بھی نہ کیا ہو۔

اقسام سنت: سنت کی دو اقسام ہیں:

(الف) سنت ھدٰی یا سنتِ موکدہ (ب) سنت زائدہ یا غیر موکدہ

(الف) سنت ھدٰی [موکدہ]:

وہ امور جن کا ثبوت اہتمام کے ساتھ بطور عبادت ہو اور وہ فرض و واجب کے حق میں مکمِّل یعنی ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے ہوں جیسے اذان و اقامت وغیرہ یا جیسے فجر، ظہر، مغرب اور عشاء کی سنتیں۔ اسے سنت عبادتی بھی کہتے ہیں۔ سنت ھدی کو قصداً ترک کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

پھر سنت موکدہ کی دو اقسام ہیں:

[۱] سنت عین:

جس کے کرنے کا غیر لازمی مطالبہ مگر تاکید کے ساتھ ہر ایک فرد سے ہو جیسے پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھنا، فجر کی دو سنت، تراویح کی نماز، نماز کے لیے اذان، خطبۂ نکاح وغیرہ۔

[۲] سنت کفایہ:

جس کے کرنے کا غیر لازمی مطالبہ مگر تاکید کے ساتھ پوری جماعت سے ہو اس طور پر کہ بعض کے کر لینے پر پوری جماعت گرفت سے بری قرار دی جائے، ورنہ پوری جماعت مستحق گرفت وملامت ہو۔ جیسے تراویح کی جماعت اور رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف وغیرہ۔

(ب) سنت زوائد [غیر موکدہ]:

وہ امور جن کا ثبوت یا تو بطور عادت ہو یعنی وہ افعال و اقوال جن کا تعلق عام انسانی زندگی اور بشری ضروریات و تقاضوں سے ہو۔ جیسے نبی کریم ﷺ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور پہننے کا انداز، تہبند باندھنا، پگڑی باندھنا، دائیں ہاتھ سے کھانا پینا اور بائیں ہاتھ سے استنجاء وغیرہ کرنا یا وہ امور جو نبی کریم ﷺ نے چاہے انہیں بطور عبادت ہی کیا ہو لیکن وہ فرض و واجب کیلئے تکمیل کا ذریعہ نہ ہوں اور پابندی کی وجہ سے عادت ہی کے درجے میں شمار ہو گئے ہوں جیسے نماز کے اندر قرأت طویل پڑھنا اور رکوع و سجدہ کو طویل کرنا وغیرہ۔ سنت زوائد یا غیر موکدہ سنت کو سنت عادتی بھی کہتے ہیں۔

[۴] مستحب:

وہ دینی کام جس کے کرنے کا مطالبہ تاکید کے ساتھ تو نہ کیا گیا ہو مگر اس پر شریعت یعنی نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے پسندیدگی بتلائی گئی ہو۔ مستحب کو مندوب، نفل، ادب، تطوع اور فضیلت بھی کہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی سنت کا اطلاق بھی مستحب پر کیا جاتا ہے۔

مستحب کے ذرائع ثبوت و بیان:

مستحب کا ثبوت بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے قولاً فعلاً کرنے سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وجوب اور سنتیت سے مانع قرائن موجود ہوں۔ قولاً یوں کہ اس کا مطالبہ تاکید کے ساتھ نہ ہو اور عملاً یوں کہ اس کو کبھی کبھار یا بغیر پابندی کے کیا گیا ہو۔

سنت اور مستحب کا وجوب یا انکار:

جب کسی سنت یا مستحب کو ادا کرنا شروع کیا جائے تو اس کا پورا کرنا پھر واجب ہو جاتا ہے اگر درمیان میں اسے چھوڑ دیا جائے تو قضا واجب ہو گی۔ اور اگر سنت یا مستحب کا ثبوت ہر قسم کے شبہ سے خالی دلیل سے ہو تو اس کا انکار بھی کفر ہے۔ جیسے [وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْكُمْ] اس کا ثبوت قطعی اور دلالت بھی قطعی ہے لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے۔

مستحب کے بعض شرائط:

[۱] یہ کام لازمی سمجھ کر نہ کیا جائے ورنہ واجب ہو جائیگا۔

[۲] اس کی تاکید و ترغیب نہ کی گئی ہو ورنہ سنت بن جائے ہو گا۔

[۳] اس پر پسندیدگی کا اظہار شریعت کی جانب سے ہوا ہو ورنہ اسے مباح سمجھا جائے گا۔

[۵] حرام:

جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ دل سے ممانعت و حرمت کا یقین اور عمل میں احتراز ضروری ہے اس کا انکار کفر ہے اور چھوڑنا موجب تعریف و ثواب ہے بلا عذر کرنا موجب مذمت و عقاب ہے جیسے: زنا، قتل، چوری وغیرہ۔

اقسام: حرام کی دو قسمیں ہیں:

☆ **حرام لعینہٖ:**

وہ شئے جس کی حرمت خود اس کی ذات میں پائے جانے والے کسی وصف کی وجہ سے ہو۔ جیسے شراب، مردار اور نذر لغیر اللہ کہ ان کا کھانا پینا خود ان دونوں کے اندر پائے جانے والے اوصاف کی وجہ سے حرام ہے۔

☆ **حرام لغیرہٖ:**

وہ شئے جس کی حرمت کسی خارجی چیز کی وجہ سے ہو۔ جیسے غیر کے مال کا استعمال کہ خود نفسِ مال تو اپنے اندر کوئی ایسا وصف نہیں رکھتا جسکی وجہ سے اسکا استعمال حرام ہو لیکن اس کی حرمت مالک کی اجازت کے بغیر اسکے استعمال کی وجہ سے قرار پاتی ہے۔

[۲] مکروہ تحریمی :

جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کسی اعتبار سے شبہ ہو یعنی دلیلِ ظنی سے ثابت ہو۔ ممانعت و حرمت کے گمان غالب کے ساتھ عمل میں احتراز ضروری ہے، بغیر کسی تاویل اس کا انکار گمراہی اور کرنا موجب مذمت و اعقاب ہے جیسے: تکبر کی نیت سے پائنچوں کا ٹخنوں سے نیچے ہونا، نماز میں خلافِ دستور و تہذیب کپڑے پہننا، نماز میں سدل یعنی رومال یا چادر کو کندھوں پر لٹکی ہوئی حالت میں رکھنا، نماز میں چُست لباس جیسے پتلون وغیرہ پہننا جس سے مخفی اعضاء کی ہیئت نمایاں ہو، پیشاب پاخانے کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے اور اسے دفع کرنے کی حالت میں نماز پڑھنا، نماز میں انگلیاں چٹخانا وغیرہ۔

حرمت و کراہت تحریمی کے ثبوت کے ذرائع:

☆ وہ الفاظ جو لغۃً حرمت و ممانعت پر دلالت کرتے ہیں جیسے مَنَعَ، نھی، حَرَّمَ وغیرہ۔

☆ وہ الفاظ جو صیغۃً ممانعت پر دلالت کرتے ہیں یعنی فعل نہی۔

☆ تاکید کے ساتھ کسی چیز سے بچنے اور دور رہنے کا حکم۔

☆ کسی کام کے کرنے پر وعید کا ذکر۔

فائدہ:

کراہت تحریمی وہ امور ہیں جن کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل غیر قطعی سے ثابت ہو ان امور کے علاوہ مندرجہ ذیل صورتوں کیلئے بھی کراہت تحریمی کا حکم ہے۔

☆ واجب کا ترک

☆ سنت موکدہ کا ترک

☆ سنت و مستحب میں سے کسی کو عملاً یا اعتقاداً اُن کے درجہ سے بڑھا دینا مثلاً انہیں فرض یا واجب کا درجہ دینا جیسے غیر سنت موکدہ کو سنت موکدہ سمجھ لینا۔

☆ اُس مباح کام کا کرنا جو عوام کے اعتقاد کے فساد کا ذریعہ بنے۔

حرمت کے موانع:

دلیل کے علاوہ حرمت کے موانع مندرجہ ذیل ہیں:

☆ کسی فرض کا ترک جبکہ بالمقابل پہلو ایک ہی ہو جیسے ایمان کا ترک کہ اس کے بالمقابل پہلو ایک ہی ہے یعنی کفر۔

☆ کسی فرض امر کا ترک جبکہ بالمقابل پہلو ایک نہ ہو لیکن دوسرے کام کے کرنے کی وجہ سے فرض رہ جائے۔

[۷] مکروہ تنزیہی:

جس کے نہ کرنے کا مطالبہ غیر لازمی لیکن تاکید کے ساتھ ہو۔ ترک موجب تعریف و ثواب ہے جبکہ کرنا موجب ملامت و عتاب ہے۔ جیسے: بغیر وضو اذان دینا، امام کا محراب کے اندر کھڑے ہونا، بغیر عذر نماز میں چاروں زانوں بیٹھنا وغیرہ۔

کراہتِ تنزیہی کے مواقع اور ثبوت:

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مکراہِ تنزیہی وہ ہے جس میں تاکید کے ساتھ مگر غیر لازمی مطالبہ کسی کام کے نہ کرنے کے بارے میں شریعت کے جانب سے ہو۔ اس کے علاوہ حسب ذیل صورتیں بھی تنزیہی کے تحت آتی ہیں:

☆ جس کام کے کرنے میں کسی سنت کا ترک ہو۔

☆ سنت غیر موکدہ کا ترک

☆ مادہ کُرہٌ و کراھیۃٌ کا استعمال

☆ شریعت میں جس کی ممانعت وارد ہو لیکن ساتھ میں ایسا قرینہ بھی موجود ہو جس کے باعث وہ کام یا امر مطلقاً حرمت کے درجے تک کا مانع نہ ہو۔

فائدہ:

مکروہ کا اطلاق کبھی کبھار حرام پر بھی ہوتا ہے جس طرح مکروہ تحریمی و تنزیہی دونوں پر ہوتا ہے۔ البتہ حرام اور تنزیہی کیلئے لفظ "مکروہ" کا استعمال قید کے بغیر کم مواقعوں پر لایا جاتا ہے اس لئے جب بغیر کسی قید کے لفظ مکروہ لایا جائے اور ساتھ قرینہ بھی موجود نہ ہو تو عموماً مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ پھر بھی اس قدر وسیع انداز میں اس کے توقع استعمال کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ پہلے دلیل دیکھ لینی چاہیے۔

[۸] خلاف اولیٰ:

جس کے کرنے میں قباحت کا ذکر ہو۔ اس کا ترک بہتر اور باعث ثواب ہے اور کرنا خلاف بہتر ہے لیکن نہ باعث عقاب اور نہ باعث ملامت و عتاب ہے۔ مکروہِ تنزیہی سے بھی کم درجہ خلافِ اولیٰ کا ہے۔

فائدہ:

چونکہ خلافِ اولیٰ مستحب کا مقابل ہے اس لیے اس کی تعریف یوں ہونی چاہیے کہ وہ امر جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ بھی نہ ہو اور جس کی شریعت میں تاکید بھی نہ کی گئی ہو۔ مگر چونکہ تصریح کی گئی ہے کہ اسکی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہوتی اس لئے مذکورہ تعریف کی بجائے پہلی والی تعریف بہتر ہے۔

☆ ترکِ مستحبات بھی خلاف اولیٰ ہے۔

☆ خلاف اولیٰ کیلئے لا بأس بہ کا لفظ بھی اکثر استعمال ہوتا ہے۔

[۹] مباح:

مباح وہ کام ہے جو نہ نیکی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی مواخذہ ہے۔ جس کام کے کرنے، نہ کرنے دونوں کا شریعت نے اختیار دیا ہو، کرنا، نہ کرنا دونوں برابر ہوں، نہ تو کسی میں ثواب ہو، نہ کسی میں ملامت اور نہ عقاب و عتاب۔ جیسے: عام انسانی ضروریات، کھانا پینا، پہننا، سونا، اوڑھنا، تھوکنا وغیرہ۔

ذرائع ثبوت:

حرج، گناہ اور تنگی کی نفی و انکار اور علت کا بیان ہو یا ان امور پر شریعت کی جانب سے سکوت ثابت ہو یا امر ہو مگر وجوب کی مانند امر نہ ہو۔ مگر اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اباحت پر دلالت کرتا ہو۔ جیسے: وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا "جب احرام اُتار لیا جائے تو اُس حالت میں شکار کرنا۔" جو ہر اعتبار سے قطعی ہے، لیکن یہاں امر اباحت کیلئے لایا گیا ہے۔

☆ جس مباح کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہو تو اس کا انکار کفر ہے۔

فائدہ:

یہ اصول ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہو تو اس کا انکار کفر ہے اگرچہ وہ کام حکماً سنت یا مستحب بلکہ مباح ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سنت، مستحب اور مباح کا

ثبوت دلیلِ قطعی سے بھی ہوتا ہے۔ البتہ واجب کے انکار پر کفر کا حکم نہیں لگتا اس لیے کہ اس کا ثبوت کسی ایسے دلیل سے ہوتا ہے جس میں کسی اعتبار سے شبہ پایا جاتا ہے۔ باقی یہ بات طے شدہ ہے کہ استخفاف [بے وقعتی] کی نیت سے کسی حکم مشروع کا ترک کفر کا حکم رکھتا ہے۔

چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی ایسے خاص حکم شرعی کا انکار کیا جائے جس سے خاص وعام سب واقف ہوں تو اس پر کفر کا حکم لگتا ہے۔

اس لیے بعض حضرات نے "وتر" جو کہ حکماً واجب ہے اور "صلوٰۃِ عیدین" کے انکار پر بھی کفر کا حکم لگنے کا ذکر کیا ہے۔

حکم وضعی کی اقسام

احکام تکلیفیہ کا اثبات یا ان کی نفی جن امور کے باعث ہوتی ہے انہیں احکام وضعیہ کہتے ہیں یعنی حکم وضعی اسے کہتے ہیں کہ جس کے باعث کوئی حکم تکلیفی ثابت ہوتا ہو۔ پھر حکم وضعی کے پانچ قسمیں ہیں:

[۱]علت [۲]سبب [۳]شرط [۴]علامت [۵]مانع

[۱] علت:

علت سے مراد وہ چیز ہے جس سے کوئی حکم ابتداءً واجب ہو جاتا ہے، مثلاً عقدِ بیع ملکیت کی علت ہے۔ نکاح مباشرت کی علت اور قتل، قصاص کے لازم ہونے کی علت ہے وغیرہ۔

الغرض علت کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی ہے جو اس کے وجود میں موثر ہو، جب وہ وصف پایا جائے تو وہ حکم ضرور پایا جائے اور اگر وصف نہ پایا جائے، تو ضروری نہیں کہ وہ حکم بھی نہ پایا جائے اسلئے کہ ایک معلول و حکم کی ایک سے زائد علتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا یہ حکم ہو سکتا ہے کسی دوسری علت کی وجہ سے پایا گیا ہو۔

مثلاً بیع ملکیت کی علت ہے یعنی کسی شخص کو کسی چیز کے بیچنے کا حق تبھی حاصل ہے کہ وہ اس کا مالک ہو لیکن بیع کے بغیر بھی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے، پس یہاں یہ بیچنا وہ وصف خارجی ہے جو اس کے وجود میں موثر ہوا۔ یہ وہ وصف ہے کہ جہاں یہ علت [جیسے بیع] پائی گئی وہاں وہ حکم [ملکیت] ضرور لاحق ہو گا۔ اگر وہ اس چیز کا مالک و مختار نہیں اور اس نے وہ چیز بیچ ڈالی تو اس علت [مثلاً بیع] کا مرتکب لائق گرفت ہو گا۔

اسی طرح قتل، قصاص کی علت [وجہ] ہے۔ قتل ہوا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں، قصاص کے لیے قاتل قابل گرفت ٹھہرے گا۔ غرض یہ کہ جہاں جہاں علت پائی جائیگی اس کی اقسام ثابت ہوتی جائیں گی۔ علت قیاس کا بنیادی رکن ہے۔ قیاس و استنباط میں اس کا بڑا دخل ہے۔

[۲] سبب:

سبب کے لغوی معنی حَبْل (رسی) یعنی رابطے کے ہیں جس کے ذریعے دوسرے تک پہنچا جاتا ہے۔

کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس حکم تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسباب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کو منسوب کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے احکام کو بعض ظاہری چیزوں سے واضح کیا ہے اور انہیں اپنے ان احکام کا سبب بنایا ہے تاکہ ان اسباب کے نتائج کے حوالے سے لوگوں کو احکام سمجھ آسکیں۔ جیسے قرآن میں ہے:

☆ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ [اسراء:۷۸]

☆ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ [بقرہ:۱۸۵]

ان آیات میں واضح ہوتا ہے کہ زوال شمس، نماز ظہر کی ادائیگی کا سبب ہے اور ماہ رمضان کی آمد روزوں کی فرضیت کا سبب ہے۔ اسی طرح سورج کا غروب ہو جانا نماز مغرب کا

سبب ہے یہ وہ واقعات ہیں جو ان اعمال کا سبب بنتے ہیں ، نصاب کا مالک ہونا اور اس پر سال گزرنا [دونوں مل کر] وجوبِ زکوۃ کے لیے سبب ہے۔جب یہ سبب پایا جائے گا زکوۃ فرض ہو جائے گی۔

پہلی صورت میں سبب کی ذات کے اعتبار سے حکم ثابت ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت میں سبب کی اوصاف کے اعتبار سے۔ پہلے کو سببِ وقتی کہتے ہیں اور دوسرے کو سببِ معنوی۔اس کا حکم یہ ہے کہ جو چیز سبب بنے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔اسی طرح چور کو کسی کے مال کا پتہ بتانا جس کے نتیجے میں وہ اُسے چرا کر لے جائے تو اس چوری کا سبب خبر دینے والے کی خبر ہے۔ جبکہ محض ایسی خبر قضاء کے اعتبار سے کوئی جرم، قابل گرفت حرکت نہیں اس لئے کہ نفس خبر نہ تو چوری کیلئے موجب ہوتی ہے اور نہ مؤاخذے کا باعث بلکہ اس خبر کے بعد چور اپنے ارادے سے چوری کیا کرتا ہے۔

[۳] شرط:

شرط کا لغوی معنی کسی چیز کو لازم کرنے کے ہیں۔

کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جس پر اس حکم کا وجود موقوف ہو جیسے سال گزرنا وجوب زکواۃ کیلئے شرط ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ سبب بھی ہو۔زکواۃ اس صورت میں فرض ہو گی کہ مال بقدر نصاب ہو۔اس طرح نکاح کیلئے گواہوں کا ہونا شرط ہے۔

[۴] علامت:

کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس حکم کے جاننے کا ذریعہ ہو لیکن نہ تو وہ اس حکم کے وجود میں موثر ہو اور نہ وجوب میں اور نہ ہی اس پر حکم موقوف ہو۔ بس صرف یہ کہ اس علامت کے ذریعے اس حکم کو جانا جائے۔

جیسے پنجگانہ نماز کیلئے اوقات کی مخصوص اور معین علامات ہیں یعنی جوں جوں وہ مخصوص علامات ظاہر ہوتی جائیں ان سے متعلق نمازیں فرض ہوتی جائیں گی۔

الغرض حکم، علت کے ذریعے ثابت ہوتا ہے اسلئے کہ علت موجد و موثر ہوتی ہے اور سبب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور شرط کے بعد وجود میں آتا ہے اور علامت سے پہچانا جاتا ہے اور صورت عمل اس کی علامت ہے۔ مثلاً: اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ نماز کی علت، وقت اس کا سبب، اور طہارت اس کی شرط اور نماز کی ادائیگی کی صورتِ عمل اس کی علامت ہے۔

[۵] مانع:

مانع کا لغوی معنی رکاوٹ کے ہیں۔ مانع سے مراد وہ چیز ہے جس کا وجود عدمِ حکم اور بطلانِ سبب پر دلالت کرتا ہے باالفاظ دیگر مانع، کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اسکو وجود میں آنے سے روکے۔

مانع کا شرعی حکم:

مکلّف کسی مانع کی وجہ سے کوئی کام نہ کرسکے تو اسے وہ کام دوبارہ کرنے کے لیے نہیں کہا جائے گا، جیسے قرض لینے سے اس لیے منع کیا جائے گا کہ اس سے عدم ادائیگی زکوۃ لازم آئے گی۔ لیکن کسی مکلّف کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جان بوجھ کر کوئی مانع پیدا کرے تاکہ وہ حکم کے نفاذ سے بچ جائے۔ ایسے حیلے جن سے ادائیگی حکم کا کوئی مانع پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، منع ہیں۔ کوئی شخص مال پر سال مکمل ہونے سے بچنے کے لیے اسے کچھ عرصہ کے لیے اپنی بیوی کی ملکیت میں دے دے اور پھر واپس لے لے تو یہ منع ہے۔ یہاں اس نے مانع ادائیگی زکوۃ (سال کا پورا ہونا) جان بوجھ کر پیدا کیا ہے جو ممنوع ہے۔

احکام شرعیہ کے مقاصد اور درجات

مقاصد: بنیادی طور پر احکام شرعیہ کے پانچ مقاصد ہیں۔

[۱]حفظ دین [۲]حفظ نفس [۳]حفظ عقل

[۴]حفظ نسل [۵]حفظ مال

حفظ دین: عبادات، جہاد، دعوت الی اللہ، اور سزا برائے ارتداد وغیرہ، ان سب امور سے مقصود حفاظت دین ہے۔

حفظ نفس: جان کی عزت اور ابرو کی حفاظت، تناول طعام کی اباحت، قتل نفس کی ممانعت، قصاص اور دیت کا وجوب، قذف کی حرمت اور اس پر حد کا اجراء وغیرہ یہ سب امور نفس کی حفاظت کے لئے ہیں۔

حفظ عقل: مسکر اور نشہ آور اشیاء کی حرمت اور اس پر حد جاری کرنے کا مقصد، عقل کی حفاظت ہے۔

حفظ نسل: نکاح کی مشروعیت، زنا اور لواطت کی حرمت، اور اس پر حد وسزا جاری کرنا، اسی طرح ثبوت نسب کے احکام وغیرہ، یہ امور نسل کی حفاظت کے لئے ہیں۔

حفظ مال: تجارت اور کسب معاش وغیرہ کی اجازت، سرقہ اور غصب کی ممانعت، اسی طرح دوسرے مالی معاملات کے احکام وغیرہ، ان سب امور کا منشاء حفظ مال ہے۔

درجات:

ان پانچ مقاصد کے نیچے آنے والے احکام کے پھر تین درجات ہیں۔

[۱]ضرورت [۲]حاجت [۳]تحسین

ضرورت: یعنی جس کے بغیر مذکورہ مقاصد خمسہ کا تحفظ ممکن نہ ہو، تو اس کو ضرورت کہتے ہیں۔ جیسے جان کی حفاظت کے بقدر مال کمانے کی اجازت۔

حاجت: وہ احکام جن کے وجود پر مقاصد خمسہ کا وجود تو موقوف نہ ہو لیکن ان کے موجود نہ ہونے سے مشقت پیدا ہونے کا امکان ہو جیسے پیٹ بھر کر کھانے پر انسان کی زندگی تو موقوف نہیں لیکن اس کی اجازت نہ دینے سے مشقت پیدا ہو جاتی ہے۔

تحسین: وہ احکام جن کا مقصد سہولت اور آسانی پیدا کرنا ہو جیسے مختلف قسم مزیدار اور لذیذ کھانوں کی اجازت دینا وغیرہ۔

حکم: ضرورت کا درجہ سب سے پہلے ہے پھر حاجت کا درجہ ہے اور اس کے بعد تحسین کا درجہ ہے۔ اگر ضرورت اور حاجت میں سے صرف کسی ایک پر عمل کرنا ممکن ہو تو ضرورت کو ترجیح دی جائے گی اور اگر ضرورت اور تحسین کے درمیان تعارض آجائے تو پھر حاجت کو ترجیح دی جائے گی۔ مثلاً دو آدمی سفر پر ہوں۔ ایک آدمی کے پاس ضرورت سے زائد خوراک موجود ہو اور دوسرے آدمی کو بھوک کی وجہ سے موت کا خطرہ لاحق ہو تو اس بھوکے آدمی کو اپنے ساتھی کی خوراک سے کھانا بغیر اس کی اجازت کے جائز ہے۔ اور یہ اس لئے کی بھوکے آدمی کو خوراک کی ضرورت ہے اور دوسرے ساتھی کو حاجت ہے۔ جبکہ ضرورت کو حاجت پر ترجیح ہے اور پھر وہ بھوکا آدمی خوراک، بعد میں اپنے مالک کو واپس کر سکتا ہے۔

اسی طرح نفل نماز کو مریض کی تیمارداری اور خدمت کی خاطر ترک کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مریض کی خدمت کم از کم حاجت کے تحت داخل ہے اور نفل نماز دینی اعتبار سے تحسین کا درجہ رکھتا ہے۔ جبکہ حاجت کو تحسین پر اَوْلَوِیَّتْ اور فوقیت حاصل ہے اس لئے حاجت کو مقدم کیا جائے گا۔

اور اگر ایک درجہ کے دو احکام میں تعارض آجائے تو ترجیح میں ترتیب کچھ اس طرح ہوگی۔ دین، جان، نسل، مال۔ مثلاً جہاد دینی اعتبار سے ضرورت میں داخل ہے اور جان کو موت کے یقینی خطرے سے بچانا حفظ جان کے لحاظ سے ایک ضرورت ہے، تو یہاں حفظ دین کو برتری حاصل ہوگی جبکہ موت کے قوی خطرے کے باوجود جہاد فرض ہوگا۔ اسی طرح انسان کو

اگر زنا پر مجبور کیا جائے کہ یا زنا کرو ورنہ پھر آپ سے آپ کا قیمتی مال غصب کیا جائیگا۔اب یہاں زنا سے اپنے آپ کو بچانا حفظ نسل کے لحاظ سے ضرورت ہے اور مال کثیر کو بچانا حفظ مال کے اعتبار سے ضرورت ہے تو یہاں حفظ نسل کو ترجیح دی جائیگی۔اسی وجہ سے اس حالت میں زنا کرنا جائز نہیں۔

بحث سوم

استنباط احکام کے طریقے

قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں ہے اور اسی طرح احادیث نبوی ﷺ بھی عربی زبان میں ہیں۔اس لئے قرآن کریم اور احادیث نبوی سے مسائل کے اخذ و استنباط کے لئے عربی زبان کے قواعد کا علم ضروری ہے، جن کے ذریعے عربی زبان میں متکلم عربی کا مقصد جانا اور سمجھا جائے۔ اصولیین ان قواعد کو لفظ کے پانچ بنیادی تقسیمات کے ذریعے ذکر کرتے ہیں اور انہی کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب انسان مذکورہ پانچ تقسیمات کو پہچان سکے تو پھر متکلم کی بات اور مقصد کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔

تقسیمات:

تقسیم اول: وضع یا معنی موضوع لہ (یعنی لفظ جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے) کے اعتبار سے لفظ چار قسم پر ہے۔

[۱] خاص [۲] عام [۳] مشترک [۴] مؤول

تقسیم دوم: ظہور معنی کے اعتبار سے بھی لفظ کی چار قسمیں ہیں:

[۱] ظاہر [۲] نص [۳] مفسر [۴] محکم

تقسیم سوم: لفظ باعتبار خفاء معنی اور عدم ظہور کے اعتبار سے بھی چار قسم پر ہے۔

[۱] خفی [۲] مشکل [۳] مجمل [۴] متشابہہ

فائدہ: دوسری اور تیسری تقسیم ایک دوسرے کے مقابل ہے اس لئے ان کو متقابلات بھی کہتے ہیں۔

تقسیم چہارم : لفظ باعتبار استعمال (یعنی لفظ کا اپنے معنی میں مستعمل ہونے) کے اعتبار سے چار قسم پر ہے۔

[۱] حقیقت [۲] مجاز [۳] صریح [۴] کنایہ

تقسیم پنجم : لفظ کا اپنے معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے یا متکلم کے مراد سمجھنے کی جو صورتیں ہیں، ان کے اعتبار سے بھی لفظ چار قسم پر ہے :

[۱] عبارت النص [۲] اشارۃ النص [۳] دلالۃ النص [۴] اقتضاء النص

فائدہ: مذکورہ اعتبارات سے لفظ میں یہ پانچ تقسیمات جاری ہوتی ہے اور مجموعہ اقسام بیس بنتے ہیں۔

تقسیم اول (باعتبار معنی موضوع لہ) کے اقسام

خاص:

خاص وہ لفظ ہے جو کسی معین اور ایک معلوم شیء پر دلالت کرے جیسے زید وغیرہ یا ایسے کثیرین پر دلالت کرے جو محدود و محصور ہو جیسے رجل، انسان کہ اس کے افراد تو کثیر ہیں لیکن باوجود اس کے جمادات، حیوانات، نباتات اس سے خارج ہیں۔ اسی طرح ثلاثہ اور عشرہ کا عدد بھی کثیرین مگر محدود و محصور پر دلالت کرتے ہیں۔

فائدہ: لفظ خاص معانی کے لئے وضع کی گئی ہے نہ کہ ذات کے لئے۔ لہٰذا رجل اور انسان، افراد پر دلالت کرنے سے قطع نظر، مفہوم کے اعتبار سے خاص ہیں۔

خاص کی مختلف صورتیں:

☆ خاص جنسی: وہ لفظ جس کو ایک جنس کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے "انسان"

☆ خاص نوعی: وہ لفظ جس کو ایک نوع کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے "مرد، عورت، گھوڑا" مرد، عورت، گھوڑا باوجود اس کے کہ ان کے افراد بہت ہیں لیکن خاص ہیں اسلئے کہ ان کی وضع میں ان افراد میں مشترک حقیقت و مفہوم کا لحاظ کیا گیا ہے۔

☆ **خاص فردی:** وہ لفظ جو ایک فرد یا شئی واحد کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے اشخاص ومقامات وغیرہ کے نام جیسے زید، عمرو، بکر، مدینہ وغیرہ۔

☆ **خاص وصفی:** وہ لفظ جس کو کسی ایک وصف کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے علم وجہل۔

☆ **خاص عددی:** وہ لفظ جس کو کسی متعین عدد وگنتی کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے اسماء عدد یعنی وہ الفاظ جو اعداد وشمار کو بتاتے ہیں مثلاً چار، دس، بیس وغیرہ۔

حکم: خاص اتنا واضح ہوتا ہے کہ اپنی معنی پر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔ اس میں کسی شک یا کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی، ہر قسم کے احتمالات سے خالی ہوتا ہے۔ بیان وتوضیح کا محتاج نہیں ہوتا اور عمل اس پر لازم ہوتا ہے۔ کتاب اللہ کے خاص پر خبر واحد اور قیاس کے ذریعے زیادت صحیح نہیں البتہ دونوں کے درمیان تطبیق اختیار کی جائیگی، اگر ممکن ہوسکے ورنہ پھر خبر واحد اور قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

مثالیں:

[۱] قسم کے کفارہ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ۔ [مائدۃ:۸۹]

مثال مذکور میں اطعام اور عشرہ کا لفظ خاص ہے اور اس کا معنی محتاج بیان نہیں۔ لہٰذا کفارہ میں طعام دیا جائے گا اور دس مسکینوں کو دیا جائیگا کیونکہ اس کے علاوہ یہاں کسی دوسرے معنی کا احتمال موجود نہیں۔

[۲] اسی طرح مطلقہ عورت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ [بقرہ:۲۲۸]

یہاں بھی لفظ ثلاثۃ خاص ہے۔ لفظ ثلاثۃ پر عمل اس وقت ممکن ہے جب قروء سے حیض مراد لیا جائے جبکہ لفظ قروء کو طہر پر محمول کرنے کی صورت میں اس پر عمل ممکن

نہیں۔ کیونکہ پھر عدت ڈھائی حیض بنتی ہے یا ساڑھے تین۔ جبکہ شرعی طریقہ یہ ہے کہ ہر حال میں طلاق طہر میں دی جائے۔ طہر میں طلاق دینے کے بعد تین حیض گزر جانے سے قرآن پاک کے خاص یعنی لفظ ثلاثۃ پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔

[۳] اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا۔

یہاں بھی رکوع اور سجدہ کا ایک خاص مفہوم ہے جس کی مراد واضح ہے یعنی رکوع کا معنی سر جھکانا اور سجدے کا معنی ہے سر زمین پر رکھنا۔ لیکن رکوع اور سجدہ میں اعتدال و طمانیت کا ضروری ہونا خبر واحد سے معلوم ہوتا ہے۔ اور خبر واحد کے ذریعے چونکہ اعتدال و طمانیت رکوع و سجدہ کا رکن نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ کتاب اللہ کے خاص پر زیادت ہے۔ اس لئے قرآن کریم اور حدیث کے درمیان جمع اس طرح ہوگا کہ رکوع و سجدہ کو از روئے قرآن فرض قرار دیا جائے اور اعتدال و طمانیت کو از روئے حدیث واجب قرار دیا جائے گا۔

[۴] اس طرح وضو میں چہرہ، ہاتھ، پاؤں کے دھونے اور سر کے مسح کا حکم ہے۔ یہ تمام الفاظ معنی کے اعتبار سے خاص ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ افعال وضو میں ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن خبر واحد سے وضو میں نیت، ترتیب اور تسمیہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے: لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يُسَمِّ۔

اس لئے یہ افعال وضو کے ارکان نہیں بن سکتے کیونکہ پھر خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ کے خاص پر زیادت آجائیگی۔ اس لئے قرآن میں مذکورہ افعال ارکان وضو ہیں اور یہ احادیث سے ثابت افعال سنن وضوء ہونگے۔ اور حدیث میں تسمیہ وغیرہ کی عدم موجودگی کی صورت میں وضو کی جو نفی مذکور ہے تو مراد اس سے نفی کمال ہے۔

خاص کے اقسام: خاص کے چار اقسام ہیں:

[۱] مطلق [۲] مقید [۳] امر [۴] نہی

مطلق :

مطلق خاص کی وہ قسم ہے جو فقط ذات پر دلالت کرے یعنی اپنے حقیقی معنی پر بغیر کسی قید کے دلالت کرے اور کوئی وصف اس کے ساتھ ملحوظ نہ ہو۔ جیسے حیوان، انسان، رجل اور طائر وغیرہ کہ ان الفاظ سے محض اس کے حقیقی معانی بغیر کسی قید و وصف کے مراد ہیں۔

حکم : مطلق اپنی اطلاق پر اس وقت تک قائم اور جاری رہے گا جب تک اس کے ساتھ اس جیسا قوی دلیل کسی قید لگانے کا موجود نہ ہو۔ جبکہ خبر واحد اور قیاس کے ساتھ اس کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد: فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ- [البقرۃ]

اس میں ایام مطلق ذکر ہے۔ اب اگر رمضان کا قضاء لایا جائے گا تو مسلسل اور غیر مسلسل دونوں طریقوں کے ساتھ لایا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں تسلسل کا قید نہیں ہے۔

مقید:

یہ خاص کی وہ قسم ہے جو ذات پر کسی وصف زائد کے ساتھ دلالت کرے مطلب یہ ہے کہ اپنے حقیقی معنی پر کسی صفت یا اضافت یا کسی اور قید کے اضافے کے ساتھ دلالت کرے یعنی ذات پر دلالت کرنے کے ساتھ وصف پر بھی دلالت ملحوظ ہو۔ مثلاً موصوف ہو کسی وصف کے ساتھ یا مقید ہو کسی قید کے ساتھ جیسے رَجُلٌ شَرِیْفٌ، حَیَوَانٌ نَاطِقٌ، رَجُلٌ مُؤْمِنٌ وغیرہ۔

حکم : مقید اپنی تقید کے ساتھ جاری ہو گا یعنی مقید پر مذکورہ قید کی رعایت کرتے ہوئے عمل واجب ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَا- [مجادلۃ:٦]

اس آیت میں ظہار کا کفارہ ادا کرنے کے لئے جو روزے رکھے جاتے ہیں ان میں تتابع اور جماع سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کی شرط اور قید لگایا گیا ہے۔ اس لئے جماع سے پہلے مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے کہ قتل اور قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے لیکن قسم میں مطلق غلام بغیر کسی قید کے جبکہ قتل میں غلام کے ساتھ مؤمن ہونے کا قید مذکور ہے۔

اس لئے قسم کے کفارے میں مطلق غلام کا آزاد کرنا ہوگا خواہ وہ غلام مسلمان ہو یا کافر۔ لیکن قتل کے کفارے میں مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے کیونکہ مطلق میں اطلاق پر جب کہ مقید میں تقید پر عمل ضروری ہے۔

امر

امر وہ لفظ ہے جس کے ذریعے برتری کے بنیاد پر لازمی طور پر جزم کے ساتھ کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے پھر یہ مطالبہ عام ہے، خواہ امر کے صیغہ کے ساتھ کیا جائے جیسے اَقِيْمُوا الدِّيْنَ، اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وغیرہ۔ یا جملہ خبریہ کے ساتھ کیا جائے لیکن اس جملہ خبریہ سے مقصود مطالبہ یعنی جملہ انشائیہ ہو۔ جیسے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ [البقرۃ: ۲۳۳]

فائدہ: امر اصلاً اور عام طور پر لزوم یعنی فرضیت اور وجوب کے لئے آتا ہے، سواء اُس صورت کے جہاں تقاضا یہ ہو کہ امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، جہاں اس بات پر قرینہ موجود ہو تو پھر اس صورت میں امر اباحت یا استحباب کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

اباحت کی مثال جیسے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا [اعراف: ۳۱] کھانا پینا یہ ایسے طبعی افعال ہیں کہ ان سے انسان مستغنی نہیں ہو سکتا۔ تو ایسی طبعی ضرورتوں کو واجب کرنا بے معنی ہے۔ تو یہاں یہ بات اس کا قرینہ ہے کہ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کا امر وجوب کے لئے نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا [مائدہ: ۲] یہاں بھی فَاصْطَادُوْا کا امر اباحت کے لئے ہے کیونکہ حالت احرام سے پہلے بھی شکار کرنا مباح ہی تھا، واجب نہ تھا تو حالت احرام سے فارغ ہونے کے بعد بھی شکار کرنا مباح ہی رہے گا نہ کہ واجب۔

استحباب کی مثال: جیسے فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا [نور: ۳۳] یہ بھی ایک استحبابی حکم ہے واجب نہیں۔

دعا کی مثال جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ-----الخ

فائدہ: محض امر اپنی اصل کے اعتبار سے تکرار فعل کا تقاضہ نہیں کرتا یعنی مامور بہ تکرار کا تقاضہ اور مطالبہ نہیں کرتا۔ جیسے:

إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ [البقرۃ: ۲۸۲]

یہاں دَین کے معاملے کے لکھنے کا حکم ہے لیکن اس کا تقاضہ یہ نہیں کہ ایک ہی معاملہ کو بار بار لکھا جائے۔ البتہ ایک فعل میں امر کے ذریعے تکرار کا ثبوت دیگر نصوص، قرائن اور اسباب سے ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک دن میں پانچ نمازوں کا فرض ہونا اوقات صلوۃ کے مکرر ہونے کی وجہ سے اور روزہ، شہر رمضان کے بار بار آنے کی وجہ سے بار بار ادا کیا جاتا ہے، نہ کہ امر کی وجہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں تکرار امر کے تکرار کی وجہ سے نہیں بلکہ عبادات میں تکرار مذکورہ اسباب کے مکرر ہونے کی وجہ سے ہے۔

امر کے اقسام:

شرعاً ہر مامور بہ میں حُسن کا موجود ہونا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس میں کوئی نہ کوئی خوبی اور حسن پایا جائے گا۔

پھر مامور بہ حُسن کے اعتبار سے دو قسم پر ہے: (۱) حُسن لعینہٖ (۲) حُسن لغیرہٖ

حُسنُ لِعینہٖ: حسن لعینہٖ وہ ہے جس کا حُسن ذاتی ہو، بالواسطہ نہ ہو۔ جیسے ایمان اور نماز کہ ایمان میں منعم حقیقی کے شکر کی ادائیگی ہے اور نماز تعظیم پر مشتمل افعال واقوال کا مجموعہ ہے۔ اس لئے انعام واحسان کرنے والے کا شکریہ اور تعظیم وتکریم اپنی حقیقت کے اعتبار سے عمدہ اور پسندیدہ افعال ہیں۔

حَسَن لغیرہٖ: جس کا حُسن ذاتی نہ ہو بلکہ بالواسطہ ہو۔ جیسے **سعی الی الجمعۃ** اور **وضو للصلوۃ**۔ کہ سعی میں اور وضو میں بذات خود حسن موجود نہیں بلکہ سعی میں حُسن جمعہ کے ادا کرنے کی وجہ سے آیا ہے اور وضو میں حسن نماز کا ذریعہ بننے کی وجہ سے آیا ہے۔اسی طرح جہاد اور حدود وقصاص میں بھی بذات خود حسن موجود نہیں بلکہ ان میں حُسن کفر وشرک کو دفع کرنے اور جرم کے روک تھام کے واسطے سے آیا ہے۔

اقسام وجوب: عام طور پر امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ پھر وجوب دو قسم پر ہے :

[۱] نفس وجوب [۲] وجوب اداء

نفس وجوب: ایک انسان پر حکم لازم ہونا۔ جیسے بقدر نصاب مال کا موجود ہونا زکوۃ کے لئے نفس وجوب کا سبب ہے۔اسی طرح وقت آنے پر نماز کا نفس وجوب متحقق ہوتا ہے۔پس نفس وجوب سے ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہے اور وقت داخل ہونے پر اگر ادائیگی نہ ہو تو قضاء کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

وجوب ادا: ایک حکم کی ادائیگی کا لازم ہونا یعنی امر کے ذریعے ادا کرنے کا حکم اور مطالبہ۔ اس کے ذریعے وجوبِ اداء کا ثبوت آتا ہے اور ادائیگی کا مطالبہ نص قرآنی کے ذریعے ہوتا ہے جیسے نماز کے لئے **اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ** اور زکوۃ کے لئے **وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ**۔

وجوب علی الفور اور وجوب علی التراخی:

امر وجوب علی الفور کے ساتھ واجب ہوتا ہے یا اس میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش ہے؟

اس کا فیصلہ قرائن کے ذریعے کریں گے۔ کیونکہ صیغہ امر صرف طلب فعل پر دلالت کرتا ہے جبکہ فور و تاخیر اس کے مدلوں سے خارج چیزیں ہیں۔شریعت کی طرف سے جن عبادات کے ادا کرنے کا حکم ہے تو ان میں بعض عبادات کو فوراً ادا کرنا ضروری ہے جب کہ بعض میں تاخیر کی گنجائش ہے اس لئے عبادات دو قسم پر ہیں۔

[۱] عبادات غیر موٴقتہ [۲] عبادات موٴقتہ

عبادات غیر موٴقتہ: یہ وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہ ہو جیسے زکوۃ۔

حکم: ان جیسے عبادات میں وجوب کے بعد تاخیر کی اجازت ہے۔ جتنا بھی اس میں تاخیر کیا جائے اداء کہلائے گا، قضاء نہیں کہلائے گا۔ البتہ وجوب کے بعد فوراادا کرنا مستحب ہے۔

عبادات موٴقتہ: یہ وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی کے لئے کوئی خاص وقت مقرر ہو جیسے نماز، روزہ۔

حکم: ان جیسے عبادات کے وجوب کے بعد وقت مقررہ پر ان کو ادا کرنا ضروری ہے اور ان میں تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اگر وقت مقررہ کے بعد ادا کئے جائے تو ادا نہیں کہلائے گا بلکہ قضاء کہلائے گا۔

اداء و قضاء:

اس وجہ سے مأمور بہ کے ادا کرنے کے دو طریقے ہیں۔

[۱] اداء [۲] قضاء

اداء: امر کے ذریعے واجب شدہ چیز بعینہٖ اسی طرح مستحق کے حوالے کرنا اداء کہلاتا ہے جیسے نماز کو وقت مقررہ پر ادا کرنا۔ پھر ادا کی دو قسمیں ہیں:

[۱] اداء کامل [۲] اداء قاصر

اداء کامل: مأمور بہ جن صفات کے ساتھ بندہ کے ذمے واجب کی گئی ہے ان صفات کا لحاظ کرتے ہوئے مأمور بہ کو مستحق کے حوالے کرنا اداء کامل کہلاتا ہے جیسے نماز جماعت کے ساتھ اداء کرنا۔

اداء قاصر: مأمور بہ جن صفات کے ساتھ بندہ کے ذمے واجب کی گئی ہے ان میں نقصان کرتے ہوئے مستحق کو حوالہ کرنا اداء قاصر کہلاتا ہے جیسے نماز بغیر جماعت کے اداء کرنا۔

قضاء: امر کے ذریعے واجب شدہ چیز کا مثل مستحق کو حوالہ کرنا جیسے نماز وقت مقررہ کے بعد ادا کرنا۔

پھر قضاء کی بھی دو قسمیں ہیں۔

[۱] قضاء کامل [۲] قضاء قاصر

قضاء کامل: امر کے ذریعے واجب شدہ چیز کا ایسا مثل مستحق کو حوالہ کرنا جس کا اداء کے ساتھ کسی قسم کا مشابہت نہ ہو۔

قضاء کامل کے اقسام:

پھر قضاء کی دو قسمیں ہیں:

[۱] قضاء بمثل معقول [۲] قضاء بمثل غیر معقول

قضاء بمثل معقول: امر کے ذریعے واجب شدہ چیز کو ایسے مثل کے ذریعے مستحق کے حوالہ کرنا جس کا اصلِ واجب کے ساتھ ایسی مماثلت ہو جس کو عقل تسلیم کرے جیسے نماز کی قضاء پھر نماز ہی کی شکل میں اداء کرنا اور روزے کی قضاء روزے کی شکل میں اداء کرنا۔

قضاء بمثل غیر معقول: امر کے ذریعے واجب شدہ چیز کو ایسے مثل کے ذریعے حوالہ کرنا جس کا اصل واجب کے ساتھ ایسی مماثلت ہو جو عقل میں نہ آئے لیکن شریعت نے اس کو مماثل قرار دیا ہو۔ جیسے روزے کے بدلے میں فدیہ ادا کرنا۔

قضاء قاصر: وہ قضاء جس کا ادا کے ساتھ مشابہت ہو۔ جیسے تکبیرات عیدین کو رکوع کی حالت میں پڑھنا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر کسی نے عید کی نماز میں امام کو حالت رکوع میں پایا تو اس شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے اور حالت رکوع میں تکبیرات زوائد کو پڑھے۔

یہاں تکبیرات عیدین پر قضاء کا حکم اس لئے لگایا گیا کہ وہ اپنی محل میں ادا نہیں ہوئی کیونکہ تکبیرات کا محل قیام ہے اور اداء کے ساتھ مشابہت اس وجہ سے ہے کہ نماز میں رکوع،

قیام کے معنی میں ہے۔ لہٰذا حالت رکوع میں تکبیرات اداء کرنا گویا حالت قیام میں ادا کرنے کی طرح ہے۔

نہی:

یہ وہ لفظ ہے جس کے ذریعے متکلم اپنے آپ کو عالی سمجھتے ہوئے لازمی طور پر کسی کام کے نہ کرنے کا مطالبہ کرے۔ پھر کام سے منع کرنا عام ہے خواہ صیغہ نہی کے ساتھ ہو جیسے:

لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [بقرۃ: ۱۸۸]

یا لفظ نہی کے ساتھ ہو جیسے يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ [نحل: ۹۰]

یا حلت کی نفی کی گئی ہو جیسے لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا [نساء:]

یا وہ الفاظ جو ممانعت پر دلالت کریں یعنی وہ افعال جن کا لغوی معنی منع کرنے کے ہو جیسے نَھی ،مَنَعَ، حَرَّمَ یا كَفَّ، اِمْتَنَعَ، اُتْرُكْ، ذَرْ اور دَعْ وغیرہ۔

فائدہ: نھی اصلاً اور عموماً ہمیشہ حرمت کی ثبوت کے لئے آتا ہے۔ پھر یہ حرمت کبھی فرض کے مقابل ہوتی ہے اور کبھی وجوب کے مقابل یعنی کراہت تحریمی کی صورت میں وجوب کے مقابل ہوتی ہے۔ اس کے ماسواء وہ صورت، جس کا تقاضہ یہ ہو کہ یہاں نہی حرمت کے لئے نہیں ہے اور اس پر قرینہ بھی موجود ہو تو ایسی صورت میں کراہت یا ارشاد کے لئے ہوگا۔ جیسے

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ- [جمعہ:]

یہاں نہی کراہت کے لئے ہے اور قرینہ یہ ہے کہ یہاں بیع کی ممانعت ایک خارجی چیز کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ بیع کے اندر کوئی فساد موجود ہے۔ اور اسی طرح لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ [مائدۃ: ۱۰۲] یہاں سوال کرنے کی ممانعت بطور ارشاد ہے، بطور حرمت نہیں اور یہاں منع کا مقصد کسی حکم شرعی کی تکمیل نہیں بلکہ انسان کو دقت اور پریشانی سے بچانا مقصود ہے۔

منھی عنہ کی اقسام:

نہی، منھی عنہ یعنی امرِ ممنوع کے حق میں قبح کا تقاضا کرتی ہے اور قبح کے اعتبار سے منھی عنہ دو قسم پر ہیں: [۱] قبیح لعینہٖ [۲] قبیح لغیرہ

قبیح لعینہٖ: وہ امر ممنوع جس میں قبح خود اس کے اندر پائے جانے والے کسی وصف کی وجہ سے ہو جیسے کفر، شرک کرنا، شراب، خون اور آزاد آدمی کو فروخت کرنا۔

قبیح لغیرہٖ: وہ امر ممنوع جس میں قبح خود اس کے اندر کسی وصف کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ کسی ایسی چیز کا تعلق ہو جس کی وجہ سے اس میں قبح پیدا ہوئی ہو۔ جیسے جمعہ کے اذانِ اول سے لیکر نماز جمعہ کی ادائیگی تک خرید وفروخت کا ممنوع ہونا، یا ایسی خارجی شرطیں جن کو شریعت نے خرید وفروخت کے وقت ممنوع قرار دیا ہو۔ وغیرہ

عام:

عام وہ لفظ ہے جو کسی ایسے معنی اور مفہوم کے لئے وضع کی گئی ہو جو کثیرین اور غیر محدود افراد کو دفعتًا بطور استغراق شامل ہوسکے یعنی جو کسی خاص فرد یا نوع یا جنس کے لیے متعین نہ ہو۔

پھر یہ شمول عام ہے خواہ لفظ کے اعتبار سے ہو جیسے **المسلمون**، **المؤمنون** اور **المشرکون** یا معنی کے اعتبار سے ہو جیسے **قوم**، **رھط**، **مَن** اور **ما** وغیرہ۔ پس **عشرۃ مومنا** یا **مائۃ مؤمن** اس لئے عام نہیں ہوں گے کہ یہ الفاظ اگرچہ کثیرین پر دلالت کرتے ہیں لیکن وہ کثیرین محدود و محصور ہیں۔ اسی طرح لفظ مؤمنون بغیر الف ولام کے عام کے تحت داخل نہیں، اس لئے کہ اس میں استغراق وشمول کا معنی موجود نہیں۔

عام کے الفاظ: وہ الفاظ جو عموم پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

☆ لفظ کل اور جمیع... چونکہ یہ الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں اس لئے جن اسماء کی طرف مضاف ہو جائے ان میں عموم پیدا کرتے ہیں۔ جیسے **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ**۔

☆ وہ تمام اسماء جو جماعت اور جمعیت کا معنی دیتے ہوں جیسے مَعْشَرٌ،مَعَاشِرُ، عَامَّةٌ، كَافَّةٌ، رَهْطٌ، قَوْمٌ اور جَمَاعَةٌ وغیرہ۔

☆ وہ تمام اسماء جن پر الف لام استغراقی داخل ہو، خواہ وہ جمع کی کوئی بھی قسم ہو، اسم جنس یا اسم مفرد

جمع معرف باللام کی مثال جیسے :

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔

اسی طرح المسلمون ،الرجال لیکن بغیر الف لام کے مسلمون ، رجال یہ الفاظ عموم کا فائدہ نہیں دیتے۔ کیونکہ یہ اقل جمع پر محمول ہیں اور وہ تین ہی ہے۔

مفرد معرف باللام جیسے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ،اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِأَةَ جَلْدَةٍ۔ اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا۔ میں اَلْاِنْسَانُ، اَلْبَيْعُ، اَلرِّبٰوا، اَلزَّانِيَةُ، اَلزَّانِيْ، اَلسَّارِقُ اور اَلسَّارِقَةُ۔ مفرد کے عموم کی مثالیں ہیں۔

اور اگر الف لام استغراق کے لئے نہ ہو بلکہ جنس اور عہد کے لئے ہو تو پھر وہ لفظ بھی عموم کے لئے نہ ہوگا۔ جیسے

كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ۔ اس مثال میں الرَّسُوْلُ پر الف لام عہد کا ہے اور جنس کی مثال اَلرَّجُلُ خَيْرٌ مِنَ الْمَرْئَةِ۔ یہاں بھی الرجل،المرءۃ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ بلکہ جنس رجل کی فضیلت جنس عورت پر ہے، ایک فرد کی فضیلت کسی دوسری فرد پر مراد نہیں۔

[۲] صیغہ جمع اور مفرد جب معرفہ کی طرف مضاف ہو اور اضافت استغراق کے لئے ہو۔ جیسے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ، يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ، لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

الْاُنْثَيَيْنِ ، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوْهَا ، هُوَ الطَّهُوْرُ مَائُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ۔

[۳] اسی طرح اسماء موصولہ جیسے اَلَّذِیْ،اَلَّذِیْنَ،اَللَّتِیْ،اَللاَّتِیْ،مَا وغیرہ۔

اسماء استفہام جیسے مَنْ، مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔

اسماء شرط مَنْ،مَا،اِنْ جیسے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ،وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ۔اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وغیرہ بھی عام کی صورتیں ہیں۔

عام کا حکم: عام اپنی تمام افراد پر علی سبیل الاستغراق او علی سبیل الشمول دلالت کرتا ہے۔احناف کے نزدیک قطعی الدلالت ہے اور بیان کو محتاج نہیں جب تک اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہو۔جب عام میں تخصیص کی جائے تو پھر باقی افراد پر اس کی دلالت ظنی ہو جاتی ہے۔اسی طرح کتاب اللہ کے عام کی تخصیص خبر واحد کے ساتھ درست نہیں البتہ حدیث متواتر اور حدیث مشہور کے ساتھ درست ہے۔حدیث متواتر اور مشہور کے ذریعے تخصیص کرنے کے بعد چونکہ عام کی دلالت ظنی ہو گی اس لئے پھر خبر واحد اور قیاس کے ساتھ بھی اس میں تخصیص جائز ہے یہاں تک کہ تین افراد باقی رہ جائیں۔جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک عام پھر بھی اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے لیکن دلالت کے اعتبار سے ظنی ہوگا قطعی الدلالت نہیں خواہ تخصیص سے پہلے کی حالت ہو یا تخصیص کے بعد کی۔

اقسام عام

عام اپنی مراد کے سلسلہ میں تین قسم پر ہے:

اول: وہ عام جس کی دلالت عموم پر قطعی طور پر ہو یعنی قطعی طور پر اس سے عام مراد ہو جیسے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ اس ایت میں لفظ شیء عام ہے اور دنیا کی ہر موجود چیز کو شامل ہے کوئی چیز بھی اس سے خارج نہیں۔اسی طرح وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى

اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ اس آیت میں وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ میں دَآبَّۃٍ عام ہے اور یہ اول قسم عام طور پر ان خصوصی معانی میں مستعمل ہوتا ہے جن کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہو۔

دوم: عام مخصوص منہ البعض یا عام محمول بر مخصوص ایسا عام جس سے قطعی طور پر خصوص کا معنی مراد ہو اور بعض افراد کو اس کے حکم سے خارج کر دیا گیا ہو اور عموم مقصود نہ ہو یعنی یقینی طور پر عام سے خصوصی معنی مراد ہو جیسے کہا جائے کہ درجہ ثالثہ (تیسری جماعت) کے تمام طلبہ کو انعام دیا جائے گا سوائے عمرو و بکر کے۔ یا جیسے قرآن میں ہے:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً۔

یہاں الناس لفظ عام ہے، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مسلمان ہوں۔ لیکن عقلی قرینہ کی وجہ سے لفظ خصوص پر محمول ہے جس کی وجہ سے نابالغ، مجنون وغیرہ پر حج فرض نہیں۔ اس لئے یہ ایت اپنی عمومی مفہوم پر باقی نہ رہا۔ اسی طرح اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ جب اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ کے بعد وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ارشاد فرمایا تو اس کے ذریعے بیع کے اُن افراد کو خارج کر دیا گیا جن میں سود موجود ہو۔

حکم: عام مخصوص منہ البعض کا حکم یہ ہے کہ ایک مرتبہ تخصیص کرنے کے بعد یہ عام اپنے باقی افراد پر دلالت کرنے میں قطعی نہیں رہا۔ بلکہ ظنی ہوگا، اور مزید تخصیص کا احتمال اس میں پیدا ہو جائے گا اور یہ تخصیص وسیع بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ عام کے وجود کے لیے کم سے کم تین افراد کا باقی رہ جانا ضروری ہے۔ البتہ تخصیص کے بعد باقی افراد پر عمل واجب رہے گا۔

پھر عام مخصوص منہ البعض دو اقسام پر مشتمل ہے۔

[ا] پہلی قسم وہ ہے جس میں مخصوص افراد کے بارے وضاحت نہ ہو یعنی وہ غیر معلوم ہوں جیسے اُقْتُلُوْا بَنُوْ حَمَادٍ اِلَّا بَعْضَھُمْ "کہ بنو حماد میں سے کچھ کو چھوڑ کر قتل کرو۔"

اب اس میں جن افراد کی استثنا کی گئی ہے وہ مجہول ہے اس لئے ہر فرد معین میں عام اور ہر فرد میں خاص ہونے کے امکانات برابر برابر ہیں۔ لہٰذا اس کے لئے مزید کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد سے اس کو خاص کیا جاسکتا ہے۔ یعنی یہاں یہ تعین خبر واحد سے ہو سکتی ہے۔

[۲] اس کی دوسری قسم وہ ہے جس میں مخصوص افراد متعین و معلوم ہوں، ایسی صورت میں جبکہ عام سے بعض افراد کو خاص کر دیا گیا ہے تو اگر یہی علت باقی افراد میں بھی پائی جائے تو ان کے بھی خاص ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا۔ لہٰذا اسی علت کو بنیاد بنا کر مزید افراد کو بھی خاص کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔

"قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔"

اس کے بعد حکم ثانی کے ذریعے پناہ لینے والے مشرکین کو قتل سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اب اگر یہی علت یعنی لڑائی نہ کرنا دوسرے افراد میں بھی ہو تو انہیں بھی قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ انہوں نے پناہ نہ لی ہو۔

سوم: عام غیر مخصوص منہ البعض یا عام محمول پر عموم ایسا عام جو اپنی عموم پر باقی ہو اور کسی قسم کی تخصیص اس میں نہ کی گئی ہو اور نہ اس میں تخصیص کے احتمال کے مقتضی ہونے کا کوئی قرینہ موجود ہو اور نہ عموم پر دلالت کے منتفی ہونے کا کوئی قرینہ موجود ہو۔ جیسے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ اور اسی طرح وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ۔ یہاں تخصیص کا کوئی دلیل موجود نہیں اس لئے عموم مراد ہوگا۔ لہٰذا قرآن کا جو حصہ بھی بلا تخصیص نماز میں پڑھا جائے تو حکم فرضیت قرأت پوری ہو جائے گی۔

حکم: عام غیر مخصوص منہ البعض کا مدلول خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ اس کے صحیح ہونے پر عقیدہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ لہٰذا اسے خبر واحد یا قیاس سے خاص نہیں کیا جاسکتا بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

مثال۔۔۔ ۱:

چوری کی سزا پانے کے بعد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں چور سے چوری شدہ مال کا تاوان نہیں لیا جائے گا اس لئے کہ قرآن کریم میں چور کی سزا صرف ہاتھ کاٹنا بیان ہوئی ہے ضمان کا تذکرہ نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا۔ [مائدہ:]

"چور مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو، یہ [کاٹنا] بدلہ ہے جو کچھ [چوری] اس نے کیا۔"

آیت میں مذکور لفظ "بما کسبا" میں کلمہ "ما" عام ہے جو چوری اور مال مسروق کو متضمن ہے پس جب اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا مل گئی تو ضمان کی ضرورت نہیں رہی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ساتھ اس سے مال مسروق کا ضمان بھی لیا جائے گا وہ اس مسئلہ کو مسئلہ غصب پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح غاصب کو سزا کے ساتھ ساتھ مغصوبہ چیز کا ضمان بھی ادا کرنا پڑتا ہے ایسے ہی چور کے ساتھ بھی ہوگا۔

مثال۔۔۔ ۲:

اس کی اور مثال بھی دی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ "پس پڑھو جو تمہیں آسان ہو قرآن کریم سے"

آیت میں لفظ "ما" کے عموم کی وجہ سے احناف کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا کوئی بھی حصہ پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے اور سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں۔ البتہ حدیث

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ "سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی"

کو مد نظر رکھتے ہوئے احناف قرآن کی ما کی عموم کی سے مطلق قرأۃ کو فرض اور خبر واحد کی رو سے سورہ فاتحہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔

مشترک

مشترک ایک ایسا لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ معانی کے لئے جدا جدا وضعوں کے ساتھ وضع کیا گیا ہو اور ان سب کی حقیقتیں ایک دوسرے سے مختلف ہوں جیسے لفظ جاریہ، کشتی اور کنیز دونوں کے لئے وضع کی گئی ہے اور دونوں کی حقیقتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ لفظ مشترک اپنی مدلول و مصداق کے تمام الفاظ کے لئے وضع واحد کے ساتھ وضع نہیں کیا جاتا بلکہ ہر لفظ کے لئے جدا وضع کے ساتھ وضع کیا جاتا ہے۔ یعنی پہلی مرتبہ ایک معنی کے لئے پھر دوسری مرتبہ دوسرے معنی کے لئے اور تیسری مرتبہ تیسرے معنی کے لئے وضع کیا جاتا ہے اور ایک وقت میں لفظ مشترک سے یہ تمام معانی مراد نہیں ہو سکتے۔

☆ اس مشترک کی مثال جو دو معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو لفظ قروء ہے کہ یہ حیض اور طہر دونوں کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ مولی کہ یہ معتِق بکسر العین (آزاد کرنے والا) اور معتَق بفتح العین (آزاد کیا ہوا) کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

☆ اور اُس مشترک کی مثال جو بہت سارے معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو جیسے لفظ عین کہ یہ لفظ آنکھ، چشمہ، جاسوس اور سامان وغیرہ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

مثال: قرآن پاک میں ہے: **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ۔**

یہاں قرء کے دو معانی ہیں حیض اور طہر۔ پس امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس آیت میں لفظ قرء سے مراد حیض ہے اور طہر مراد نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: **طَلَاقُ الْأَمَةِ ثِنْتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ۔** اس حدیث کے رو سے جب کنیز عدت حیض کے ذریعے گزارے گی تو آزاد عورت کی عدت بھی حیض کے ساتھ معتبر ہو گی جبکہ دونوں کے درمیان فرق کا کوئی بھی قائل نہیں کہ ایک تو حیض کے ذریعے اپنی عدت گزارے اور دوسری طہر کے ساتھ۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ثلاثہ قروء میں قرء سے مراد حیض

ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ قروء جمع کا لفظ ہے اور جمع کا کم از کم اطلاق تین پر ہوتا ہے۔اسکے علاوہ لفظ ثلاثہ بھی اس کے ساتھ آیا ہے اور وہ ایک خاص لفظ ہے جس کا مدلول بھی تین ہے۔ چونکہ خاص کے بارے میں قانون یہ ہے کہ اس کے مدلول پر عمل کرنا واجب ہے اس لئے عدت کا شمار لفظ قروء کے ایسے معنی سے ہونا چاہئے کہ ثلاثہ کے معنی پر عمل ممکن ہو سکے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب قروء سے حیض مراد لیا جائے۔

اگر اس کی بجائے قروء سے طہر مراد لیا جائے تو پھر ثلاثۃ کے مدلول پر عمل کرنا ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ طلاق شرعی کا طریقہ طہر میں طلاق دینا ہے تو جس طہر میں طلاق واقع ہوا ہے اگر اس کو عدت میں شمار کیا جائے اور دو حیض اس کے ساتھ اور لے جائے تو یہ کچھ کم تین حیض بن جائیں گے کیونکہ جس طہر میں طلاق واقع ہوا ہے اس کا کچھ حصہ تو طلاق سے پہلے گزر چکا تھا اور اگر اس کے علاوہ اور تین طہر لے لیں جائیں تو پھر عدت میں زیادتی واقع ہو جائے گی کیونکہ تین طہر تو پورے مراد لئے گئے اور اس کے علاوہ طہر کا کچھ حصہ وہ ہے جسمیں طلاق واقع ہوئی ہے ،خلاصہ یہ ہے کہ طہر مراد لینے کی صورت میں ثلاثہ کے مدلول پر بالکل عمل ممکن نہیں بلکہ ثلاثہ کے مدلول میں یا کمی واقع ہو جائے گی یا زیادتی۔

لہٰذا جب دلیل کے ساتھ لفظ قروء کے دو معانی میں سے ایک معنی یعنی حیض متعین ہوا تو طہر والا معنی ساقط الاعتبار ہو گیا۔

مشترک کا حکم:

مشترک کا حکم یہ ہے کہ ایک وقت میں لفظ مشترک سے ایک سے زائد معانی مراد نہیں لئے جا سکتے۔بلکہ ایک وقت میں ایک ہی معنی مراد ہوگا۔ غور وفکر اور دیگر قرائن کے ذریعے جب تک ایک معنی متعین نہ ہوسکے اس وقت تک عمل کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔اور ایک معنی کے راجح ہونے کی صورت میں اُسی پر عمل کیا جائے گا اور دوسرا معنی ساقط الاعتبار ہوگا۔

موؤل

وہ لفظ مشترک جس کے ایک معنی کو ظنی قرائن کی وجہ سے ترجیح دی جائے تو یہ موؤل کہلاتا ہے یعنی مشترک کے مختلف معانی میں سے ایک معنی کو ترجیح دینا موؤل کہلاتا ہے۔ مثلاً مشترک کی مثال میں جب لفظ قرء کا ایک معنی متعین قرار پائے جیسے حیض جب مراد لیا جائے تو یہ مشترک، موؤل بن جاتا ہے۔

فائدہ: ظنی قرائن سے مراد، لفظ مشترک کی ترجیح کے ذرائع ہیں جیسے خبر واحد، قیاس وغیرہ۔ اگر مشترک کے مختلف معانی میں سے ایک معنی کا تعین دلیل ظنی کے ساتھ ہو تو وہ موؤل کہلائے گا اور جب اگر ایک معنی کا تعین دلیل قطعی کے ساتھ ہو تو پھر وہ مفسر کہلاتا ہے۔

حکم: موؤل پر عمل لازم ہے لیکن خطاء کے احتمال کے ساتھ۔ خطاء کے احتمال کی قید اس لئے لگائی گئی کہ یہ عین ممکن ہے کو جو معنی ہم نے مراد لیا ہے وہ معنی مراد نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا مراد ہو جس کو ہم نے نہ سمجھا ہو۔ کیونکہ مشترک کے ایک معنیٰ کی ترجیح مجتہد اپنے اجتہاد سے کسی دلیل کے ذریعے کرتا ہے اور اجتہاد میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ لیکن غلطی کے احتمال کے باوجود جب تک غلطی کا یقین نہیں تو کتاب اللہ کے موؤل پر عمل واجب ہوتا ہے۔

تقسیم دوم

دوسری قسم ظہور اور وضاحت معنی کے اعتبار سے ہے۔ اس تقسیم کے اعتبار سے بھی لفظ کی چار قسمیں ہیں اور ان چاروں اقسام کے اندر بالترتیب ہر ایک میں وضاحت دوسرے کی بنسبت زیادہ ہے۔

ظاہر:

ظاہر وہ ہے جس کا مراد بذات خود واضح ہو یعنی وہ لفظ جس کو مخاطب سنتے ہی سمجھ سکے اور اس کا معنی سمجھنے میں اُسے کسی غور و فکر کی ضرورت نہ پڑھے۔ لیکن اس معنی کے لئے یہ

کلام نہیں چلایا گیا ہو لیکن اس کے مراد کا واضح ہونا کسی امر خارجی پر بھی موقوف نہ ہو بلکہ سیاق کلام سے یہ معلوم ہوتا ہو۔ البتہ ظاہر سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ در حقیقت کلام کا مقصود نہ ہو۔

مثال: (۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [بقرۃ:]

اس آیت کو سنتے ہی فوراً بیع کی حلت اور سود کی حرمت ذہن میں آجاتی ہے اور اس میں کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس اعتبار سے یہ آیت ظاہر ہے اگرچہ ایت کا اصل مقصد بیع اور سود کے درمیان فرق واضح کرنا ہے اور ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جنہوں نے بیع کو سود کی مثل قرار دیا تھا۔

مثال: (۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [نساء:]

اس ایت کو سنتے ہی سامع کو بغیر کسی غور و فکر کے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حلال عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ پس اس معنی میں یعنی جواز نکاح میں یہ آیت ظاہر کا درجہ رکھتا ہے اگرچہ اس ایت کو جواز نکاح کے لئے نہیں چلایا گیا ہے بلکہ مقصود اس سے چار عورتوں تک نکاح کی اجازت اور ظلم و زیادتی کے خوف کی صورت میں ایک پر اکتفا کرنے کو بتلانا مقصود ہے۔

حکم: ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے اور ظاہر کے ذریعے حدود و کفارات کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص اور نسخ کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر کا ظاہری معنی چھوڑنا اور کوئی دوسرا معنی مراد لینا اور عام کو خاص پر محمول کرنا اور مطلق کو مقید کرنا یہ تمام احتمالات اس میں موجود ہوتے ہیں۔

نص

وہ لفظ ہے جس کو سنتے ہی بغیر کسی غور و فکر کے مخاطب اس کا معنی سمجھ سکے۔ اسی معنی کے لئے کلام کو چلایا گیا ہو یعنی متکلم نے بھی یہ لفظ اور کلام اسی معنی کے لئے لایا ہو اور یہی کلام کا مقصود ہو۔ اسی وجہ سے نص، ظاہر سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

مثال ا: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [بقرۃ:]

اس آیت کے ذریعے بیع کی حلت اور ربوا کی حرمت بیان کرنے سے دونوں کے درمیان فرق ظاہر کرنا مقصود و مطلوب ہے اور یہی بات آیت کے لانے کا اصل مقصد ہے۔

[۲] فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ----الخ [نساء:]

اس ایت کا مقصد یہ بات ظاہر کرنا ہے کہ ایک وقت میں چار عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے۔ اور چار سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ پس تعداد نکاح کے بیان میں یہ آیت نص کا درجہ رکھتی ہے۔

حکم: نص پر عمل کرنا واجب ہے اور اس میں بھی تاؤیل او نسخ کا احتمال موجود ہوتا ہے۔

مفسر:

مفسر اُس ظاہر کو کہتے ہیں جو مقصودِ کلام ہونے کے ساتھ ساتھ اُس میں متکلم کی طرف سے اس درجہ وضاحت ہو کہ اس کے بعد کسی قسم کی تاؤیل، تخصیص اور نسخ کا احتمال باقی نہ ہو۔

مثال: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعِيْنَ- [بقرہ:]

اس آیت میں لفظ ملائکہ فرشتوں کے سجدہ کرنے میں ظاہر کا درجہ رکھتا ہے لیکن پھر بھی اس میں ملائکہ کے بعض افراد کی تخصیص کا احتمال باقی تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کے بعض افراد نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن كُلُّهُمْ کے لفظ نے اس بعض کے تخصیص کا احتمال بھی ختم کر رہا۔

[۲] قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً۔ [توبہ:]

اس آیت میں لفظ المشرکین ظاہر اور عام ہے جو مشرکین کے تمام افراد کو شامل ہے لیکن پھر بھی اس میں تخصیص کا احتمال باقی تھا مگر جب کافۃ کا لفظ ذکر کیا گیا تو تخصیص کا احتمال ختم ہوا اور اب یہ مفسر بن گیا۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ [بقرہ]

یہ آیت نبی کریم ﷺ کی تشریح اور بیان کے بعد مفسر ہے اور ہر قسم کے تاؤیل سے خالی ہے۔

حکم:

☆ مفسر کے ذریعے ثابت شدہ حکم قطعی اور یقینی ہوتا ہے لہٰذا مفسر جس معنی پر قطعی طور پر دلالت کرے اس پر عمل واجب ہوگا۔ مفسر میں نبی اکرم ﷺ کے زمانے تک اسی میں نسخ کا احتمال موجود تھا لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد چونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، اس لئے نسخ کا احتمال بھی اب باقی نہ رہا۔ اب یہ مفسر بھی محکم کے حکم میں ہے۔

☆ اگر مفسر اور نص کے درمیان تعارض پیش آجائے تو ترجیح مفسر کو دی جائے گی۔ جیسے لفظ تَزَوَّجْتُ (میں نے نکاح کیا) نکاح صحیح کے بارے میں نص ہے۔ اب اگر کسی شخص نے تزوجت کے ساتھ لفظ شَهْرًا ذکر کیا تو شَهْرًا ، اسی نکاح کو نکاح متعہ کی طرف پھیرنے میں مفسر ہوا۔ لہٰذا اب یہ نکاح باطل قرار پائے گا۔

محکم :

محکم وہ لفظ ہے جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مفسر سے بھی زیادہ واضح ہو اور متکلم کی طرف ایسی وضاحت ہو کہ اس کے بعد کسی قسم کی تخصیص وتاؤیل کا احتمال باقی نہ رہے۔

مثال ا : کہ نفس مضمون میں نسخ کے احتمال ہو جیسے عقائد اور اصول اخلاق وغیرہ۔

مثلاً اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

[۲] عبارت میں کوئی ایسا لفظ موجود ہو جو ابدیت اور عدم نسخ کوظاہر کریں ۔جیسے پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کی گواہی ہمیشہ کے لئے نا قابل قبول ہو گی۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۔ [النور: ۴]

☆ یا نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امہات المؤمنین ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ کے لئے کسی کا نکاح کرنے کی ممانعت وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا [احزاب:]

☆ یا جیسے اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وغیرہ

حکم:

☆ محکم کے ذریعے ثابت شدہ حکم قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ محکم جس معنی پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔اور مذکورہ معنی کے علاوہ دوسرے معنی کا احتمال بھی اس میں نہیں ہوتا۔

☆ محکم اور مفسر کے درمیان اگر تعارض آجائے تو ترجیح محکم کو دی جائے گی جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ [الطلاق: ۲]

اس مفسر کا تقاضہ یہ ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی توبہ کے بعد معتبر ہو کیونکہ توبہ کرنے کے بعد انسان فسق کے دائرے سے باہر نکلتا ہے۔لیکن ایک دوسری آیت میں محدود فی القذف کے بارے میں آتا ہے: وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا [نور: ۴]

یہ آیت محکم ہے اور اس سے محدود فی القذف کی گواہی کا معتبر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس محکم کو ترجیح دی جائیگی۔

تقسیم سوم:

لفظ، خفاء وابہام معنی کے اعتبار سے۔ خفا کے ان چار اقسام میں یہ ابہام بالترتیب ایک کی نسبت دوسرے میں زیادہ ہوتی ہے۔

خفی:

خفی وہ لفظ ہے جس کی دلالت اپنے معنی پر ظاہر ہو یعنی اس کا لغوی معنی تو بالکل ظاہر ہو لیکن کسی خارجی امر کی وجہ سے اس میں خفا آیا ہو۔ اس معنی کا بعض افراد اور بعض صورتوں پر منطبق کرنے میں کسی درجہ کا خفا، پوشیدگی اور شبہ ہو لیکن وہ خفا ایسا ہو کہ ادنی تأمل سے زائل ہوسکے۔ مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا [مائدۃ: ۳۳]

اس آیت میں لفظ سارق ایک خاص حقیقت رکھتا ہے اور وہ ہے کسی آدمی کے محفوظ مال کو اس کی بے خبری میں چپکے سے لے جانا۔ تو یہ مفہوم چور کے حق میں تو ظاہر ہے لیکن طرار (جیب کتر) اور نباش (کفن چور) کے بارے میں خفی یعنی غیر واضح ہے۔ کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ آیا ان دونوں میں سرقہ کا معنی و مفہوم موجود ہے یا نہیں۔ اور اگر موجود ہے تو کم پایا جاتا ہے یا زیادہ پایا جاتا ہے۔ تو اس امر خارج کی وجہ سے اس میں خفا آیا ہے۔ تو اب اس خفاء کو دور کرنے کے لئے سرقہ کا معنی معلوم کرنا ضروری ہے۔

چونکہ شریعت میں سرقہ کا مفہوم ہے کہ کسی آدمی کے محفوظ مال کو محافظ کے غفلت شدیدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی بے خبری میں چپکے سے لے جانا۔ اب ان تینوں میں قدر مشترک، کسی کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لے جانا ہے لیکن چونکہ طرار اور نباش کے لئے ایک مستقل نام وضع کیا گیا ہے۔ اور طرار اور نباش کے لئے عربی میں عام استعمال میں سارق کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ تو جب ہم نے سرقہ کے معنی میں غور و فکر کیا تو یہ بات معلوم ہو گئی کہ طرار میں سرقہ کا معنی زیادتی کے ساتھ پایا جاتا ہے کیونکہ سارق سوئے ہوئے شخص کا یا

غافل آدمی کا مال چپکے سے لے جاتا ہے، لیکن طرار دن کے دھاڑے جیتے جاگتے آدمی کا مال اس کی معمولی مشغولیت و مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مہارت اور ہاتھ کی صفائی سے اس کی جیب سے محفوظ مال چراتا ہے۔ طرار میں سرقہ کا معنی سارق کی نسبت زیادتی کے ساتھ موجود ہے۔اس لئے طرار کو بھی سارق کہا جائے گا اور سارق کا حکم یعنی قطع ید اس پر بھی لگایا جائے گا اور نباش چونکہ مال ایسی جگہ (قبر) سے لے جاتا ہے جو محفوظ نہیں اور نہ مردے میں حفاظت کی صلاحیت موجود ہے اس لئے اس اعتبار سے نباش میں سرقہ کے معنی میں کمی آئی جس کی وجہ سے سرقہ میں شبہ پیدا ہوا، اور اسی شبہ کی وجہ سے نباش سے حد سرقہ ساقط ہو گیا البتہ قاضی اس کے بارے میں بطور تعزیر سزا جاری کرے گا۔

حکم: خفی کے معنی کی جستجو اور تلاش ضروری ہے یہاں تک کہ خفا کی وجہ معلوم ہو جائے پس اگر خفا زیادتی کی وجہ سے ہو تو ظاہر کے حکم میں داخل ہوگا ورنہ خارج ہوگا۔

مشکل

مشکل وہ لفظ ہے جس کا معنی بذات خود واضح نہ ہو اور اپنے لفظ کے اعتبار سے اس درجے مخفی ہو کہ کافی غور و فکر کے بغیر خفا زائل نہ ہو سکتی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ مشکل میں متعدد معانی کا احتمال ہوتا ہے اور مراد سب کا ایک ہی ہوتا ہے لیکن مشکل کا مراد مشکل کا اپنے جیسے دوسرے ہم مثل الفاظ میں داخل ہونے کی وجہ سے یا تعارض کی وجہ سے ایسا مشتبہ ہو گیا ہو کہ جب تک اپنے ہم شکل الفاظ سے جدا ہونے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو تو سننے والے پر مراد مخفی رہتا ہے چونکہ مشکل میں خفا کا سبب خود مشکل کا لفظ اور صیغہ ہوتا ہے اسلئے خفا کو دور کرنے کے لئے ایک خارجی قرینے اور دلیل کی ضرورت ہے جسمیں غور و فکر کرنے سے مشکل کی مراد واضح ہو کر خفا زائل ہو سکے۔

مثال: (۱) اوانی جنت (جنت کے برتن) کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ: قَوَارِيْرَمِنْ فِضَّةٍ [دھر: ۱۶] یعنی وہ چاندی کے شیشے سے بنے ہوئے ہونگے۔ حالانکہ

قارورہ چاندی کے نہیں بلکہ شیشے کی ہوتی ہے۔اب غور و فکر سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اس کی بنیاد ایک نادر اور غامض (جلدی سمجھ میں نہ آنے والا) استعارہ پر ہے۔تو یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ جنت کے برتن صفائی میں شیشے کی طرح اور سفیدی اور چمک میں چاندی کی طرح ہیں۔

[۲] ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ

ایت میں لفظ أَنّٰى کے متعدد معانی ہیں۔یہ كَيْفَ کے معنی پر، مَتٰى کے معنی پر، اور اسی طرح مِنْ أَيْنَ کے معنی پر بھی آتا ہے۔اسی وجہ سے معنی مراد میں خفاء پیدا ہو گیا۔چونکہ قرائن اور سیاقِ نص سے معنی متعین ہو جاتا ہے۔لہٰذا یہاں نص، احوال کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے، محل اور جگہ کے عمومیت پر دلالت نہیں کرتا۔مطلب یہ ہے کہ یہاں محل (جگہ) مراد نہیں بلکہ عمومیت فی الکیفیت (طریقہ اور کیفیت) مراد ہے۔

[۳] اس طرح ارشاد باری تعالی ہیں:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔

یہاں آیت میں لفظ قُرُوْءٍ مشکل ہے کیونکہ قُرُوْءٍ کے دو معانی ہیں حیض اور طہر۔اب یہاں کونسا معنی مراد ہوگا۔ پس غور و فکر کرنے کے بعد دلائل اور قرائن ذریعے معلوم ہوا کہ قرء سے مراد یہاں حیض ہے۔پس مطلب یہ نکلا کہ طلاق شدہ عورتوں کی عدت تین حیض ہیں۔

حکم:

مشکل کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا اور اس کے مراد کو معلوم کرنے کے لئے غور و فکر کرنا واجب ہے۔اور قرائن و دلائل میں بحث اور غور و فکر کرنے کے بعد مشکل جس مرادی معنی پر دلالت کرتا ہو تو اُس کے نتیجے پر عمل کرنا واجب ہے۔

مجمل:

وہ لفظ ہے جس کی خفاء مشکل سے بھی زیادہ ہو اور اسکا خفاء متکلم کے بیان کے علاوہ غور و فکر کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرنے سے زائل نہیں ہو سکتا جب تک شارع یا متکلم نے اس کی وضاحت اور بیان نہ کی ہو۔ واضح طور پر بیان نہ کرے۔

مثال: [۱] قرآن پاک میں ہے کہ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ ۔ اس آیت کی رو سے مسح کرنا وضوء میں فرض ہے لیکن کتنی مقدار کا مسح فرض ہے۔ اس کا ذکر یہاں آیت میں نہیں۔ پس اس اجمال کو دور کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ نے خود عمل کر کے دکھایا جیسا کہ سیدنا مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مقدار ناصیہ (چوتھے سر) کا مسح معلوم ہوتا ہے۔

[۲] اس طرح قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، اُدْعُوْا رَبَّکُمْ یہاں اقامت الصلوۃ اور ایتاء الزکوۃ کی کیفیت شرائط اور احکام کا ذکر نہیں۔ اس طرح دعا کی کیفیت، ھیئت اور طریقہ بھی یہاں سے معلوم نہیں اسی وجہ یہ مجمل ہوا۔

لہٰذا نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے نماز، زکوۃ اور دعا کی تفسیر بیان کی اور مذکورہ اُمور کی کیفیت، تعداد، مقدار اور طریقہ ارشاد فرمایا۔ لہٰذا اب یہ مذکورہ امور مجمل نہیں رہے بلکہ مفسر بن گئے۔

فائدہ: عبادات میں اوامر اور نواھی مجملات ہوتے ہیں جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور اُدْعُوْا رَبَّکُمْ وغیرہ۔ ان کی تفسیر و توضیح شارع کیطرف سے ہونی چاہے اور یہ مطلّقات میں سے نہیں ہوئے۔

حکم: مجمل کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا اور شارع کی طرف سے وضاحت آنے تک توقف کرنا اور شارع کی طرف سے وضاحت آنے کے بعد اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

متشابہ: :

متشابہ وہ ہے جس کی خفاء اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ اس کے بعد مراد یقینی طور پر معلوم نہ ہوسکے اور متکلم کی طرف سے اس کی وضاحت کا امید بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔

مثال: متشابہ دو قسم پر ہیں:

[۱] وہ لفظ جس کا معنی لغوی بھی معلوم نہ ہو چہ جائیکہ اس کا مراد معلوم ہو سکے جیسے حروف مقطعات الٓمٓ وغیرہ۔

[۲] دوسری قسم وہ ہے جس کا معنی لغوی تو معلوم ہو لیکن اس کا حقیقی مراد معلوم نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً وجہہ، ید، ساق اور استواء وغیرہ۔ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ایمان لانا اس پر واجب ہے کہ یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہو، پس اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ باقی حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حکم: متشابہ کے حق ہونے کا عقیدہ رکھنا اور اس پر ایمان لانا اور اس کی کیفیت اور حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا واجب ہے۔

تقسیم چہارم

لفظ کا اپنے معنی میں مستعمل ہونے کے اعتبار سے

فائدہ: دواران گفتگو کبھی الفاظ اور جملے اپنے موضوع لہ میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اور کبھی معنی غیر موضوع لہ میں۔ اس اعتبار سے لفظ کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

[۱] حقیقت [۲] مجاز

اور پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

[۱] صریح [۲] کنایہ

یہ سب چار قسمیں ہوئیں جن کا تعلق عام اور خاص دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

فائدہ: علاوہ ازیں حقیقت کے جاننے سے پہلے وضع کو جاننا ضروری ہے۔

وضع: لفظ کو کسی ایسے معنی کے ساتھ خاص کرنا کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے تو وہی معنی ذہن میں بغیر کسی قرینہ کے آجائے۔ پس اس لفظ کو موضوع کہتے ہیں اور وہ معنی جس کے ساتھ وہ لفظ خاص کیا گیا ہے اس کو موضوع لہ کہتے ہیں۔ پس لفظ کو معنی کے ساتھ اس طریقے پر خاص کرنا وضع کہلاتا ہے۔ مثلا لفظ اسد کو ایک خاص ھیئت والے درندے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جب بھی لفظ اسد بولا جاتا ہے وہی مخصوص ھیئت والا درندہ ذہن میں آجاتا ہے۔ پس لفظ اس کا موضوع ہوا اور وہ مخصوص ہیئت والا درندہ موضوع لہ بن گیا۔ اور لفظ اسد کو اس مخصوص ہیئت والے درندے کے ساتھ خاص کرنا وضع ہے۔

حقیقت:

کسی لفظ کا اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہونا یعنی لفظ جس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اسی معنی میں لفظ کو استعمال کرنا حقیقت ہے۔ مثال لفظ اسد سے شیر کو مراد لینا حقیقت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا۔ اس آیت میں حقیقی رکوع اور سجدے کا حکم مقصود ہے۔ اسی طرح صلوۃ، زکوۃ اور حج وغیرہ نام (الفاظ) شریعت نے مخصوص اور معروف عبادات کے لئے وضع کئے ہیں پس انہی کو مراد لینا حقیقت ہے۔

حکم: کسی لفظ سے اصلاً اُس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا اور اس کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت ہے اور نہ متکلم کی نیت کا۔ اور اگر بالفرض معنی حقیقی اور معنی مجازی میں تعارض آجائے تو معنی حقیقی کو ترجیح دی جائیگی۔

مجاز:

کسی قرینہ اور مناسبت کی وجہ سے لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا۔ یعنی مجاز وہ لفظ ہے جس کو اپنے وضعی معنی میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ کسی دوسرے معنی میں استعمال کیا جائے البتہ معنی مستعمل اور معنی وضعی میں ایک مناسبت ضرور موجود ہو۔

مثال: [۱] جیسے اسد سے رجل شجاع مراد لینا

[۲] قرآن پاک میں ہے کہ: اَوۡ لَامَسۡتُمُ النِّسَآءَ [مائدہ:]

ملامست کا حقیقی معنی ہے ایک دوسرے کو چھونا، ہاتھ لگانا، لیکن یہاں اس سے جماع مراد ہے، جبکہ اس کے استعمالی اور حقیقی معنی کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہے۔

[۳] قرآن پاک میں ارشاد ہے: اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا [یوسف:]

خمر کا حقیقی معنی شراب ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں حالانکہ شراب کو نچوڑا نہیں جاتا بلکہ انگور کو نچوڑا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں خمر کا مجازی معنی انگور کا شیرا مراد ہوگا کیونکہ انگور کا شیرا نچوڑ کر شراب بنائی جاتی ہے۔

حکم:

جہاں حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ ہو یا متکلم خود کہے کہ میرا مجازی معنی مراد ہے یا اس پر کوئی قرینہ موجود ہو کہ متکلم کا مراد معنی مجازی ہے تو ان تمام صورتوں میں معنی مجازی مراد لیا جائے گا۔

فائدہ: ایک لفظ سے ایک ہی وقت میں معنی حقیقی اور معنی مجازی دونوں مراد نہیں لئے جاسکتے۔ جیسے قمر سے حقیقی معنی چاند اور مجازی معنی خوبصورت شخص ایک ہی وقت میں مراد نہیں لئے جاسکتے۔ البتہ ایک صورت اس سے مستثنی ہے جس کو عموم مجاز کہتے ہیں۔

عموم مجاز کا مطلب یہ ہے کہ لفظ کا ایسا مجازی معنی استعمال کرنا کہ اُس کے تحت معنی حقیقی بھی شامل ہو جائے یعنی معنی مجازی ایسا عام ہو کہ حقیقت بھی اُس کے مصداق اور افراد میں شامل ہو جائے جیسے لفظ اُم کو اصل اور بنیاد پر محمول کرنا۔

اب "اصل" ام کا مجازی معنی ہے اس اعتبار سے یہ عموم مجاز، حقیقی معنی یعنی ماں اور مجازی معنی یعنی نانی دونوں کو شامل ہے۔

اقسام حقیقت:

چونکہ معنی مجازی عموماً اُس وقت مراد لیا جاتا ہے جب معنی حقیقی کو مراد نہیں لیا جاسکتا اس طرح حقیقت کی تین قسمیں بنتی ہیں:

[۱] حقیقت متعذرہ [۲] حقیقت مہجورہ [۳] حقیقت مستعملہ

[۱] حقیقت متعذرہ:

وہ لفظ ہے جس کا معنی مراد لینا یا تو ناممکن اور متعذد ہو یا پھر ممکن ہو لیکن اس پر عمل کرنا نہایت مشکل، دشوار اور باعث مشقت ہو۔

مثال: مثال کے طور پر ایک شخص قسم کھا کر یہ کہے کہ میں فلان درخت کو نہیں کھاؤں گا۔ درخت کھانے کا حقیقی معنی تو عین درخت کھانا ہے جو نہایت مشکل ہے کیونکہ درخت کی لکڑی اور پتے انسان نہیں کھاتے البتہ یہاں مجازی معنی مراد لیا جائے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اگر وہ درخت پھلدار ہو تو پھر اس کی قسم کو پھل اور میوہ نہ کھانے پر محمول کیا جائے گا۔

(۲) اور اگر وہ درخت پھلدار نہ ہو تو پھر اس شخص کا قسم اس درخت کی قیمت اور ثمن کھانے پر محمول کیا جائے گا۔ پس جب درخت سے پھل اور قیمت مراد ہوا تو اب اگر وہ شخص کسی طریقہ سے اس درخت کی لکڑی کو کسی طریقے سے بیس کر کھائے تو وہ اپنے قسم میں

حانث تصور نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ ہانڈی نہیں کھاؤں گا تو اس سے وہ سالن مراد ہے جو اس میں ہے کیونکہ ہانڈی کو تو کھانا ممکن نہیں۔

فائدہ: یہ حکم اُس درخت کا ہے جو نہیں کھایا جاتا، اور وہ درخت جو خود کھایا جاتا ہے جیسے گنا وغیرہ تو پھر اسی درخت کا کھانا ہی مراد ہوگا۔

حکم: حقیقت متعذرہ کا حکم یہ ہے کہ معنی حقیقی کے مشکل اور متعذر ہونے کی وجہ سے بالاتفاق معنی مجازی پر عمل کیا جائے گا۔ اس لئے کہ عاقل اور بالغ آدمی کا کلام لغو ہونے سے بچ جائے۔

[۲] حقیقت مہجورہ:

یہ وہ لفظ ہے جس کے معنی حقیقی پر عمل کرنا ممکن اور آسان ہو لیکن عرف یا عادت یا شریعت نے اس پر عمل کرنا متروک کرکے رکھ دیا ہو۔

مثال: اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں فلاں گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔ تو اس کا حقیقی معنی یہ ہے کہ وہ شخص اس گھر میں فقط پاؤں رکھ دے اور جسم کا باقی حصہ گھر سے باہر رہے۔ چونکہ اس معنی پر عمل کرنا ممکن اور آسان ہے لیکن عرف وعادت میں اس پر عمل کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ عرف وعادت میں قدم رکھنے سے مراد مطلق دخول ہے، پس عرف کا اعتبار کرتے ہوئے جس طریقہ سے بھی وہ شخص فلان کے گھر میں داخل ہوگیا تو اس کو حانث تصور کیا جائے گا۔ چونکہ اس لفظ سے حقیقی معنی مراد نہیں لے سکتے۔ اس لئے اگر وہ شخص بتکلف گھر میں صرف قدم رکھ دے اور باقی حصہ گھر سے باہر ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

حکم: حقیقیت مہجورہ کی صورت میں بالاتفاق لفظ سے معنی مجازی مراد ہوگا کیونکہ معنی حقیقی پر عمل متروک (چھوڑ دیا گیا) ہے۔ اس لئے مجازی معنی ہی مراد ہوگا کہ عاقل اور بالغ کا کلام لغو اور بے کار نہ ہو۔

[۳] حقیقت مستعملہ:

یہ وہ لفظ ہے جس کے معنی حقیقی پر عمل کرنا نہ صرف ممکن وآسان ہو بلکہ اس پر عمل کرنا مروج ہو یعنی عرف وعادت میں اس پر عمل کرنا چھوڑا نہ گیا ہو۔

مثال: اگر کوئی شخص کہے: وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی اَسَدًا۔ اس فقرے میں لفظ اسد کا حقیقی معنی شیر ہے۔ اب اس سے مراد شیر ہی ہوگا۔ پس اگر قسم کھانے والا کہے کہ میں نے اسد بول کر رجل شجاع مراد لیا ہے تو اس نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

صریح:

وہ لفظ ہے جو اپنے معنی اور مفہوم پر دلالت کرنے میں ظاہر ہو یعنی محض سننے سے اس لفظ کا معنی سمجھ میں آسکے، اپنے معنی میں زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے۔ اور اس لفظ کو سمجھنے کے لئے متکلم کی نیت معلوم کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ پھر یہ صراحت خواہ حقیقی معنی میں ہو یا مجازی معنی میں ہو۔

مثال: معنی حقیقی میں صریح کی مثال:

جیسے کوئی شخص بیوی سے کہے کہ اَنْتِ طَالِقٌ تو اس کا شرعاً حقیقی معنی نکاح ختم کرنا ہے اور لفظ طالق، طلاق کے لئے صریح ہے۔ الغرض طلاق کے وہ الفاظ جو طلاق پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں جب بھی انسان یہ صریح لفظ منہ سے نکالے گا تو طلاق ہو جائے گی خواہ طلاق کی نیت ہو یا نہ۔

اسی طرح کوئی شخص کہے کہ: وَاللّٰہِ لَا اَبِیْعُ وَلَا اَشْتَرِیْ۔ اب یہ الفاظ اپنے حقیقی معانی میں مستعمل ہوئے ہیں کیونکہ بِعْتُ اور اِشْتَرَیْتُ کا کوئی دوسرا معنی مراد نہیں لیا جاسکتا، اس لئے ان الفاظ کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

معنی مجازی میں صریح کی مثال:

کہ کوئی لفظ متعارف مجازی معنی میں استعمال ہو جائے جیسے کوئی شخص کہے: وَاللّٰہِ لَا اٰکُلُ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ۔ یہاں چونکہ حقیقی معنی کو ترک کرنے میں مجاز مشہور اور متعارف ہے کیونکہ بعینہٖ درخت کو کھانا ناممکن ہے اس لئے مجازی معنی مراد ہوگا یعنی پھل کھانا۔

اسی طرح وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ یہ بھی صریح ہے باوجود مجاز ہونے کے اور یہاں قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں۔

حکم: صریح کا حکم یہ ہے کہ اثر کا عینِ کلام پر مرتب ہونا یعنی بغیر کسی نیت کے اس کا مقتضی ثابت ہوگا، مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھی کلام واقع ہو جائے تو معنی ثابت ہو جائے گا اور ثبوت معنی کے لئے نیت کی چنداں ضرورت نہ پڑے گی اگرچہ اس معنی کے خلاف نیت کی گئی ہو۔

کنایہ:

کنایہ وہ لفظ ہے جس کی دلالت اپنے معنی پر ظاہر نہ ہو یعنی محض سننے سے وہ سمجھ میں نہ آسکے۔

مثال: حقیقیت میں کنایہ کی مثال:

جیسے کسی مجلس میں ایک شخص کے متعلق گفتگو ہو رہی ہو کہ دریں اثناء وہ شخص خود مجلس میں تشریف لے آئے اور مجلس میں سے کوئی بولے کہ وہ آگیا۔ اب متکلم کی اسی حالت سے ہر کوئی سمجھتا ہے کہ مراد اس آنے والے سے وہی شخص ہے جس کے متعلق مجلس میں گفتگو چل رہی تھی۔

مجاز میں کنایہ کی مثال:

مثال کے طور پر ایک شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ اِعْتَدِّیْ اور شوہر کا مقصد اس سے طلاق دینا، تو اب یہ کنایہ بھی ہے اور مجاز بھی۔ کنایہ اس لئے ہے کہ اعتدی کا لفظ شمار کرنے پر دلالت کرتا ہے۔اب کونسی چیز گننا اور شمار کرنا ہے اس کا ذکر یہاں موجود نہیں ہے اور لفظوں میں بھی اس کی راد واضح نہیں لہٰذا یہ کنایہ ہے لیکن متکلم نے نیت سے اس کو متعین کیا ہے کہ مراد اس سے ایام عدت کو شمار کرنا ہے اور مجاز اس لئے ہے کہ مجاز میں لفظ بول کر کسی قرینہ اور مناسبت کی وجہ سے اس کا معنی غیر موضوع لہ مراد لیا جائے جبکہ یہاں شوہر نے اِعْتَدِّیْ کہہ کر غیر موضوع لہ معنی یعنی طلاق کا قصد کیا ہے اور اعتدی اور طلاق میں علاقہ اور مناسبت یہ ہے کہ طلاق کے بعد عدت گزاری جاتی ہے جس کے ایام کو شمار کیا جاتا ہے۔

حکم: کنایہ کا مقتضی ثابت نہیں ہوتا مگر نیت سے یا دلالت حال سے۔یعنی کنایہ پر مرتب ہونے والا حکم اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک کنایہ کا مراد واضح نہ ہو۔ اور مراد اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب متکلم اس سے کسی متعین چیز کی نیت کرے یا متکلم کی حالت اس مراد پر دلالت کرے۔

تقسیم پنجم:

لفظ کے معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے یا
متکلم کے مراد پہچاننے کی صورتیں یا
متعلقات نصوص یا دلالات اربعہ

الفاظ سے معانی ابھرتے ہیں اور ہر لفظ اپنے معنی رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ ہر لفظ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے مجتہدین نے الفاظ کے معانی سمجھنے کے چار طریقے بیان کیے ہیں اور ان پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ چار یہ ہیں:

[۱] عبارۃ النص [۲] اشارۃ النص [۳] دلالۃ النص [۴] اقتضاء النص

[۱] عبارۃ النص:

اسے دلالت العبارت بھی کہا جاتا ہے [اور اسے لفظی معنی بھی کہہ سکتے ہیں] عبارۃ النص کہتے ہیں ایسے کلام کو جو ایسے حکم پر دلالت کرے جس کے لیے کلام لایا گیا ہو اور اسی حکم کا اسی کلام سے قصداً ارادہ کیا گیا ہو۔

یعنی عبارۃ النص وہ طریقہ ہے جس میں لفظ کا مفہوم بالکل واضح ہوتا ہے، گویا جو مفہوم بیان کرنا مقصود تھا وہ اسی لفظ سے آسانی کے ساتھ ادا ہو گیا۔ الغرض آیت کا جو مطلب ظاہراً آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکے وہی عبارۃ النص ہے۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ...الخ۔[انعام: ۱۵۲]

قرآن مجید کی یہ عبارت اپنے الفاظ سے یہ مفہوم واضح کر دیتی ہے کہ کسی انسان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔

دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ [النور:۵۶]

قرآنی عبارت کے مذکورہ الفاظ اس مفہوم میں بالکل واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز ادا کرنے اور زکوۃ دینے کا حکم دیا ہے۔

☆ تیسری مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ۔ [ ]

یہ آیت چونکہ مال غنیمت کے حقداروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ مال غنیمت کے مستحقین کے بارے میں عبارت النص ہے۔

☆ چوتھی مثال: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً---الخ

یہ آیت تین معنوں یعنی احکام پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ نکاح کی اباحت اور جواز

۲۔ ایک وقت میں چار تک بیویوں سے نکاح کا جواز۔

۳۔ ظلم اور ناانصافی کے ڈر کی صورت میں ایک بیوی پر اکتفا کرنا۔

یہ تینوں معانی عبارت کے نص اور الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں اور سیاق کلام سے بھی یہی تینوں مقصود ہیں۔ ان میں سے آخری دو اصالۃً مقصود ہیں جبکہ پہلا تبعاً مقصود ہے۔

عبارت النص کا حکم:

عبارت النص کا حکم یہ ہے کہ اس کے مقتضاء پر عمل کرنا اور اس کا اعتبار کرنا واجب ہے۔

[۲] اشارۃ النص:

اسے دلالت الاشارہ بھی کہتے ہیں۔ اشارۃ النص وہ کلام ہے جو ایسے حکم پر دلالت کرے جس کے لئے کلام تو لایا گیا نہ ہو البتہ وہ حکم اور معنی اس نص کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہو۔ یعنی اس طریقے میں الفاظ اور عبارت کا اصل مقصد تو کچھ اور ہوتا ہے لیکن سیاق کلام میں کسی اور معنی کی طرف بھی لازمی طور پر اشارہ ہو جاتا ہے۔

جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ [البقرہ: ۲۳۳]

اس قرآنی عبارت کے الفاظ سے یہ مفہوم تو واضح ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی ماؤں کا خرچہ اور روٹی کپڑا اُس کے ذمے ہے جو بچے والا ہے یعنی باپ پر ہے۔ یعنی یہ آیت وجوب نفقہ اور وجوب اجرت کے بارے میں عبارۃ النص ہے کیونکہ یہ حکم بغیر کسی سوچ وفکر کے اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن اس عبارت [آیت] کے ایک حصے "وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ" میں لفظ "لَهٗ" سے اس مفہوم کی طرف بھی لازمی طور پر یہ اشارہ ہو گیا کہ اولاد کا خرچہ صرف باپ پر

واجب ہوتا ہے۔اسی طرح باپ کے لیے مولود لہ کا لفظ استعمال کرکے اس معنی کی طرف اشارہ اور دلالت پایا جاتا ہے کہ بچے کا نسب باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ پس مولود لہ کے لفظ کے استعمال سے اختصاص نسب کا ثبوت اشارۃ النص ہے۔

[۲] اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ [آل عمران:۱۵۹]

یہ آیت دلالت النص کے ذریعے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام میں حکومت کا ایک بنیادی اصول باہمی مشورہ کرنا ہے۔ یعنی اسلام شورائی نظام کا متقاضی ہے لیکن اشارۃ النص کے ذریعے اس بات کی طرف بھی لازمی اشارہ ہو گیا کہ امت میں ایک ایسا گروہ ضرور ہونی چاہیے جن سے اسلامی حکومت کے معاملات میں مشورہ لیا جاسکے یعنی اس آیت سے امت میں ایک جماعت بنانے کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔اس لئے کہ مشورے کا حکم مستلزم ہے جماعت کو۔ کیونکہ امت کے ہر ہر فرد کے ساتھ مشورہ کرنا ناممکن ہے۔ اگرچہ آیت سے جماعت بنانے کا وجوب عبارۃ النص سے مقصود نہیں تاہم اس کی طرف لازمی طور پر اشارہ نکلتا ہے یعنی اس معنی پر دلالت اشارۃ النص کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔

[۳] جس طرح لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ سے عبارت النص کے ذریعے مال غنیمت کے حقداروں کا بیان کیا گیا ہے اس طرح اشارۃ النص کے ذریعے اس سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے ہجرت کی تھی، ان کے وہ اموال و جائیداد جو مکہ میں انکی ملکیت میں تھی اب ہجرت کرنے کے بعد ان اموال وجائیداد سے ان کی ملکیت زائل ہو گئی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ان کو فقرآء سے تعبیر کیا گیا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اموال سے ان کی ملکیت زائل ہو گئی ہے اگرچہ اس آیت اور کلام یہ ظاہر کرنا اور بیان کرنا مقصود نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کلام کو لایا گیا ہے لیکن یہ معنی لفظ فقراء کے ساتھ لازم ہے اس لئے یہ معنی اشارۃ النص کے ذریعے ثابت ہوا۔

اوپر کی تمام مثالوں سے ظاہر ہوا کہ کسی قرآنی عبارت سے جو معانی اشارۃ النص سے نکلتے ہیں وہ اکثر پوشیدہ ہوتے ہیں اور غور و فکر کے بعد سمجھ میں آتے ہیں اور یہ کام صرف اُن فقہاء کرام کا ہے جو فقہ اسلامی کے ماہر ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شخص کے فہم و بصیرت میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اشارۃ النص سے جو معنی سمجھے جاتے ہیں بعض اوقات ان میں اختلاف بھی ہوتا ہے لیکن عبارۃ النص میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ اس کا مفہوم اس قدر واضح ہوتا ہے کہ ایک غیر فقیہ بھی اسے فوراً سمجھ سکتا ہے۔

اشارۃ النص کا حکم:

معمولی غور و فکر کے بعد اشارۃ النص کے مقتضاء کو سمجھ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

[۳] دلالۃ النص:

اسے "دلالۃ الدلالہ" بھی کہتے ہیں۔ بعض فقہاء اسے "موافق مفہوم" کا نام بھی دیتے ہیں۔ کوئی فقیہ اسے قیاس جلی کہتا ہے اور بعض نے اس کو فحوی الخطاب یا فحوائے کلام [کلام کی روح اور مغز] بھی کہا ہے۔

دلالت النص سے مراد کلام میں ذکر شدہ حکم کی علت پر از روئے لغت لفظ کی ایسی دلالت کرنا جس کو اہل لغت آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس لئے اس کو جاننے کے لئے فقیہ اور مجتہد ہونا ضروری نہیں۔ مطلب یہ کہ دلالت النص کا مصداق اصلاً مذکورہ حکم کی علت ہوتی ہے لیکن دوسرے احکام کے عام علتوں کی طرح اس کو عبارت سے نکالنا اور سمجھنا اجتہاد پر موقوف نہیں ہوتا۔

بالفاظ دیگر دلالۃ النص سے مراد لفظ کا ایسا مفہوم ہے جو عبارت کی روح اور منطق سے سمجھ میں آجائے۔ گویا اس عبارت کے لفظ کا جو مفہوم ہو اُسی میں ایک اور مفہوم بھی شامل ہو جائے جو اگرچہ مذکور نہ ہو لیکن مشترکہ علت کی وجہ سے پہلے کے ساتھ ہو جائے۔

مثال: [۱] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ۔ [بنی اسرائیل: ۲۳]

قرآنی عبارت کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے والدین کو اُف کہنا ممنوع اور حرام ہے کیونکہ اس لفظ کے کہنے سے اُن کو اذیت پہنچتی ہے۔ یہاں فوری طور پر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس حکم میں ان کو مارنے پیٹنے اور گالی دینے کی ممانعت اور حرمت بھی شامل ہے کیونکہ مارنے پیٹنے اور گالی دینے سے جو تکلیف اور اذیت اُن کو پہنچتی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو لفظ اُف کہنے سے ہوتی ہے۔ اس لیے والدین کو مارنا پیٹنا اور گالی دینا اُن کو اُف کہنے سے زیادہ برا ہوا۔ لفظ "اف" سے منع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو ہر قسم تکلیف دینا اس آیت کی رو سے منع کرنا مقصود ہے لہٰذا والدین کو گالی دینا، مارنا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہیں تو یہاں لفظ "اُف" کی حرمت کی دلالت مارنے اور گالی پر دلالت النص ہے۔

یہ دوسرا مفہوم اگرچہ عبارت میں مذکور نہیں ہے تاہم یہ چونکہ پہلی بات سے بھی کہیں بڑھ کر ہے اس لیے یہ مفہوم بھی از خود اس پہلی بات میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے کسی بڑے اجتہاد اور قیاس کی ضرورت نہیں۔

فائدہ:

یہاں یہ بات جلدی سے سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ نص کا یہ حکم دونوں قسم کی ایذاء دینے کو شامل ہے اور منصوص علیہ کا حکم مسکوت عنہ کے لیے بھی ثابت ہے۔

اور منصوص علیہ (منطوق) اُف کہنے کا حکم حرمت، مسکوت عنہ (گالی گلوچ، مارنے) کو شامل ہونا زیادہ لائق تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔ [النساء: ۱۰]

اس آیت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم وزیادتی سے یتیموں کا مال کھانا حرام ہے۔ لیکن دلالۃ النص سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یتیموں کا مال جلانا اور تلف کرنا یا کسی

طرح برباد کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ سارے طریقے ظلم وزیادتی سے مال کھانے کے برابر اور مساوی ہیں اور ان میں مشترکہ علت ''یتیم کے مال پر زیادتی کرنا'' موجود ہے جو بہر صورت حرام ہے۔ کیونکہ یتیم خود اپنے مال کی حفاظت کرنے پر قادر نہیں ہے۔لہٰذا یہاں بھی مسکوت عنہ کے حکم کی علت اور منطوق کے حکم کی علت ایک ہے، جو ضائع کرنا ہے۔

حکم:

علت کے عموم کی بناء پر حکم بھی عام ہوگا۔ یعنی جہاں بھی اور جب بھی علت پائی جائے گی تو وہاں حکم مذکور جاری ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ کلام میں مذکور حکم کی علت عام ہو۔

[۴] اقتضاء النص:

اسے ''دلالۃ الاقتضائی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اقتضاء کے لغوی معنی طلب کرنے یا تقاضا کرنے کے ہیں۔ اصول فقہ کی اصطلاح میں عبارت کے اندر کسی ایسے محذوف لفظ کو کہتے ہیں جس پر اس عبارت کے درست ہونے کا دارومدار ہو۔

اقتضاء النص، وہ کلام ہے جو نص میں ایسی زیادتی کا تقاضا کرے جس پر شرعاً کلام کی صحت موقوف ہو یعنی مطلب یہ ہے کہ اگر نص میں وہ زیادتی نہ کریں تو کلام درست نہیں ہوسکتا۔ ایسی زیادتی کو مقدر مانا جائے گا جس کے ذریعے کلام کی دلالت اپنے مدلول پر صحیح ہوسکے۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ۔ [نساء: ۲۳]

قرآن مجید کی اس عبارت کے معنی درست طور پر سمجھنے کے لئے لفظ نکاح کو محذوف یا مقدر ماننا پڑے گا۔

مفہوم اس طرح درست ہوگا کہ:

'' تمہاری ماؤں سے نکاح کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔''

یہ بات ہمیں اقتضاء النص کے حوالے سے معلوم ہوئی ہے۔ گویا نص [قرآنی حکم] کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں پر نکاح کا لفظ محذوف یا مقدر مانا جائے۔ کیونکہ حرام ہونے کا اطلاق ذات پر نہیں کیا گیا بلکہ ذات سے متعلق فعل پر کیا گیا ہے اور وہ فعل نکاح ہے۔

[۲] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ۔ [مائدہ:۳۰]

اس قرآنی عبارت کے معنی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے لفظ میتۃ سے پہلے لفظ اکل یعنی کھانے کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا۔ کیونکہ لفظ کے مفہوم کا تقاضا یہی ہے، اسی سے اس عبارت کے معنی درست ہو سکتے ہیں کہ ان چیزوں کا کھانا حرام ہے۔ کیونکہ تحریم کا تعلق ذات شئی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ مکلّف کے فعل کے ساتھ ہوتا ہے اور مکلّف کا فعل کھانا اور فائدہ حاصل کرنا ہے لہٰذا ہر نص میں اس کی مناسبت کے اعتبار سے مقتضیٰ کو مقدر مانا جائے گا۔

[۳] حدیث پاک میں ہے کہ: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ

حدیث کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے یعنی نیت کے بغیر کوئی عمل وجود میں آتا۔

حالانکہ ایسا نہیں بلکہ بہت سے اعمال بغیر نیت سے بھی وجود میں آتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا اس سے مراد کوئی دوسرا ہے۔ تو محدثین نے یہاں ثواب کا لفظ اقتضاء النص کے طور پر زیادہ مانا ہے یعنی مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔

حکم:

بقدر ضرورت زائد معنی کا کم از کم اتنا اعتبار کرنا یعنی کم از کم زیادہ لفظ اتنا مقدر نکالنا جس سے ضرورت پوری ہو جائے اور کلام کا معنی درست ہو جائے اور اسی بقدر ضرورت زیادت پر حکم مرتب ہو سکے۔ بس اتنی زیادت کی اجازت ہے۔

لفظ سے معنی جاننے کے لئے یہ چاروں طریقے قرآن وحدیث کے منصوص احکام کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہیں۔ان کے بغیر نصوص کی عبارت اور ان کے متن کو پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا۔

مفہوم مخالف:

دلالات کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ہر وہ معنیٰ جو دلالت کے ان طریقوں میں جس طریقے سے بھی ثابت ہو تو وہ معنی اسی نص سے ثابت مانا جائے گا اور یہ نص اُس کی دلیل ہوگی۔

اس وجہ سے ان چاروں دلالتوں کو نص منطوق کی دلالت بھی کہتے ہیں۔ اور اس صورت کے علاوہ اس کے بالمقابل دوسری صورت بھی ہے جس سے اس کا مخالف حکم ثابت ہوتا ہے۔اس کو مفہوم مخالف کہتے ہیں۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۔[طلاق:٦]

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مطلقہ عورت حاملہ ہو تو عدت کے دوران اس کا نان نفقہ شوہر کے ذمے لازم ہے۔ پس اگر مطلقہ عورت حاملہ نہ ہو تو دوران عدت اس کا نان نفقہ بھی واجب نہ ہوگا، یہ اس کا مفہوم مخالف ہے۔ مفہوم مخالف احناف کے نزدیک معتبر نہیں ہے جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک معتبر ہے۔

تمت بالخیر

ابو معاویہ مفتی محمد ایاز درانی پشاوری
مدرسہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور